



انسان

تالیف

حافظ اُمبشہ حسین لاہوری



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُ

اور

انسان

تالیف

حافظ امشبہ حسین لاہوری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جملہ حقوق برائے ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ----- اللہ اور انسان

مصنف ----- حافظ ابو نعیم ابراہیم بن عبد اللہ

تاریخ اشاعت ----- دسمبر 2004ء

تعداد ----- 1000

قیمت ----- 90 روپے

کمپوزنگ ----- ندیم گلپل

سرورق ----- امجد

پستال کے ساتھ پاکستان: لاہور • نعمانی کتب خانہ • مکتبہ قدوسیہ • اسلامی اکادمی •
کتاب مراستہ اردو بازار • معارف اسلامی منشورات منصورہ • گوچرہ والہ مکتبہ نعمانیہ
اردو بازار سیالکوٹ، الفرقان احلاک سنٹر یا تو بازار فیصل آباد، مکتبہ اسلامیہ بیرون ایٹن
پور بازار کوٹوالی روڈ کراچی • قدیمی کتب خانہ آرام باغ • علی کتاب گھر اردو بازار • مکتبہ
نور محمد، نعمان سنٹر راشدرمنہاس روڈ گلشن اقبال راولپنڈی • کتب خانہ رشیدیہ کراچی
مارکیٹ راجہ بازار • بک سنٹر حیدر روڈ صدر • انور اسلامک بکس ۳۵ سنگا پور پلازہ کینٹ
اسلام آباد، السعد اسلامک بک شاپ F8 مرکز پشاور، معراج کتب خانہ

ناشر: مینڈا کیڈم
E-Mail: mubandah@liberal.com.PH 0300 462271

مکتبہ رحمانیہ

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن - لاہور

۱۹۹۹

آئینہ کتاب

www.kitabosunnat.com

11	پہلی لفظ..... از قلم: مصنف
14	حرف آغاز..... حافظ محمد ادریس صاحب (ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی منصورہ)
15	تقدیم..... از قلم: پروفیسر عبدالجبار شاہ صاحب (ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور)

ب 1

اللہ تعالیٰ..... ایک تعارف

21	پہلی فصل..... کیا اللہ ﷻ موجود نہیں؟
22	جاننا کون آگاتا ہے؟
24	جمادات اور کائنات کو کس نے پیدا کیا ہے؟
27	انسان اور حیوانات کا خالق کون ہے؟
28	کائنات کی کوئی چیز بھی خود بخود پیدا نہیں ہوئی!
28	بغیر منتظم کے کوئی نظام نہیں چلتا!
29	کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہے!
31	ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود محال ہے!
32	اللہ نظر کیوں نہیں آتا.....؟
34	اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟
35	دوسری فصل..... مختلف مذاہب کا تصور الہ
36	یہود و نصاریٰ کا تصور الہ (خدا)

37	یہود و نصاریٰ نے اللہ کی شان بیکائی کے حصے کر دیے
41	موجودہ ہائیل اور تصور توحید
43	موجودہ ہائیل اور تصور خدا
43	ہندومت اور تصور اللہ
45	دنیا میں موجود دیگر ادیان و مذاہب
45	مشرکین عرب کا تصور خدا
46	بت پرستی
47	ملائکہ پرستی
47	جنات پرستی
49	تیسری فصل..... اسلام کا تصور الہ
49	اللہ تعالیٰ کا تعارف
50	اللہ تعالیٰ کی ذات باریکات -
51	اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کا تذکرہ
51	اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ
52	اللہ تعالیٰ کی باریک آنکھوں کا تذکرہ
53	اللہ تعالیٰ کے پاؤں مبارک کا تذکرہ
54	اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ
54	اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟
57	اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کا مسئلہ
60	چوتھی فصل..... اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے؟
62	آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

63	کیا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟
63	اختلاف کا پہلا سبب
66	اختلاف کا دوسرا سبب
67	آنحضرت ﷺ کا فیصلہ
69	روایت باری تعالیٰ اور بعض ضعیف روایات
70	حالت خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار
72	پانچویں فصل..... اللہ ﷻ کے بارے میں گمراہانہ نظریات
72	(۱)..... ہر چیز اللہ ہے معاذ اللہ!
72	(۲)..... سب کچھ اللہ کا 'پرتو' ہے (نظریہ وحدۃ الشہود)
73	(۳)..... اللہ تعالیٰ انسان کی ذات میں اتر آتے ہیں (حلول و اتحاد) معاذ اللہ
73	وحدۃ الوجود، وحدت الشہود اور حلول و اتحاد (خلاصہ)
73	عقیدہ حلول و اتحاد کی تردید
76	عقیدہ وحدت الوجود کی تردید
77	عقیدہ وحدت الشہود کی تردید
78	وحدۃ الوجود، شہود اور حلول کے اثبات کے دلائل کی حقیقت
78	باطل نظریات کے تائید میں بنائی گئی چند جمہوری احادیث
79	آیات قرآنی اور صحیح احادیث سے غلط استدلال
81	ہجٹی فصل..... اللہ ﷻ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان
83	قرآن وحدیث سے اسمائے حسنیٰ بیان کرنے کا اصول
84	قرآن وحدیث سے ثابت شدہ بعض اسماء
85	کیا خدا اللہ کا نام ہے؟

انسان..... ایک تعارف

88	پہلی فصل..... انسانی تطبیق کا آغاز اور نظریہ ارتقاء
89	○ نظریہ ارتقاء پر اعتراضات
92	○ نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین
93	○ پہلے انسان یعنی حضرت آدم ﷺ کی تخلیق
94	○ حضرت آدم ﷺ مٹی سے پیدا ہوئے
94	○ قرآن مجید کے دلائل
96	○ احادیث کے دلائل
97	○ حضرت آدم ﷺ انوے فٹ لمبے تھے!
99	○ حضرت آدم ﷺ جمعہ کے روز پیدا ہوئے
100	○ حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق
101	○ مولانا مودودی کی رائے
102	○ راجح موقف
103	دوسری فصل..... انسانوں کی تطبیق اور ان سے عہد
103	○ نسل انسانی کی تخلیق اور راست برکھم کا عہد و پیمان
105	○ کیا یہ عہد صرف روجوں سے لیا گیا تھا؟
105	○ کیا یہ عہد مجازی اور تمثیلی تھا؟
108	○ ہمیں یہ عہد کیوں یاد نہیں؟
111	○ انسانوں کی تخلیق کے مراحل

اللہ ﷻ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادیں

114	پہلی فصل..... پہلا تعلق ؛ خالق اور مخلوق کا!
115	سب کچھ ایک اللہ ہی نے پیدا کیا ہے
117	ہم انسانوں کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے
118	ہمارا رازق اور داتا بھی اللہ ہی ہے
119	تمام جامعہ اردو کارزق اسی اللہ کے ذمہ ہے
119	رزق اللہ دے گا ڈرو نہیں.....!
119	وہ جسے جتنا چاہے رزق عطا کرے!
120	سارے خزانے اسی کے پاس ہیں
120	مدبر و مختتم بھی اللہ تعالیٰ ہے
121	عالم الغیب بھی اللہ تعالیٰ ہے
121	قادر مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہے
122	مخیر کل اور مالک الملکت (شہنشاہ) بھی اللہ تعالیٰ ہے
122	حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہے
122	نفع اور نقصان بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے
123	زندگی اور موت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے
124	اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟
125	صحت اور شفا بھی اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے
125	اولاد دینا یا نہ دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے
125	قسمت کا مالک بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے

126	☆ اچھے کام کی توفیق بھی اللہ ہی دینے والا ہے
126	☆ ہدایت دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے
126	☆ مشرکین مکہ اور موجودہ مکہ کو مسلمان.....!
126	☆ مشرکین مکہ بھی اللہ کو خالق، مالک اور رازق تسلیم کرتے تھے
128	☆ پھر انہیں کافر مشرک کیوں کہا گیا؟
129	☆ غیر اللہ کی عبادت (عظیم و محبت اور خوف کی وجہ سے)
130	☆ مشرکین صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے.....!
131	☆ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے بعض نیک بندوں کو مافوق الاسباب.....
132	☆ مشرکین مکہ کے عقائد کی تردید
135	☆ مشرکین مکہ سخت جھگڑی میں صرف ایک اللہ کو پکارتے تھے!
137	☆ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کا واقعہ
138	دوسری فصل..... دوسرا تعلق، عابد اور معبود کا!
139	☆ عبادت کیا ہے؟
141	☆ عبادت کیسے کی جائے؟
143	☆ اصل توحید توحید عبادت ہے
144	☆ توحید عبادت کی بنیادی صورتیں
145	عبادت کی پختی صورت..... زبانی عبادتیں
145	☆ (۱)..... بد کے لیے ایک اللہ ہی سے دعا فریاد کی جائے
147	☆ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا
147	☆ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا
148	☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

9 اللہ اور انسان

148	حضرت پونس <small>رضی اللہ عنہ</small> کی دعا
149	حضرت بلال <small>رضی اللہ عنہ</small> کی دعا
149	حضرت یعقوب <small>رضی اللہ عنہ</small> کی دعا
150	حضرت زکریا <small>رضی اللہ عنہ</small> کی دعا
150	(۲)..... ایک اللہ ہی سے پناہ طلب کی جائے
151	(۳)..... اٹھے بیٹھے اور سوتے جاگتے صرف ایک اللہ کا ذکر کیا جائے
151	(۳)..... صرف ایک اللہ کی قسم کھائی جائے
152	(۵)..... توبہ و انابت
152	(۶)..... توکل و اعتماد
152	عبادت کی دوسری صورت..... جسمانی عبادتیں
152	دل سے متعلقہ عبادتیں
153	(۱)..... ایمان و یقین
153	(۲)..... محبت و خشیت
153	(۳)..... رجا و رغبت
154	جسم و بدن سے متعلقہ عبادتیں
154	نماز اور قیام صرف اللہ کے لیے
155	رکوع و سجود صرف اللہ کے لیے
157	قبروں پر سجدہ ریزی کی حرمت
158	طواف و احکاف بھی صرف اللہ کے لیے
159	حج اور روزہ بھی صرف اللہ کے لیے
159	عبادت کی تیسری صورت..... مالی عبادتیں

159	✽ نذر و نیاز صرف ایک اللہ کے لیے
161	✽ ہر طرح کی قربانی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے
163	✽ تیسری فصل..... تیسرا تعلق، محتاج اور غنی کا!
164	✽ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں
168	✽ سب سے بڑی نعمت ایمان و اسلام کی نعمت ہے
169	✽ انعامات کے ساتھ آزمائش بھی لازم ہے
170	✽ مصائب و مشکلات کیوں آتی ہیں ؟
172	✽ مصائب و مشکلات سے نجات کی راہیں
172	✽ (1)..... برے اعمال سے توبہ کرنا
172	✽ برائی، بدی اور گناہ
172	✽ توبہ و استغفار
174	✽ عیسائیوں کا تصور توبہ و استغفار
174	✽ (2)..... اللہ کے حضور عافیت اور التجائیں
176	✽ واسطے وسیلے کی حقیقت
177	✽ وسیلے کی جائز شکلیں
177	✽ (1)..... اللہ تعالیٰ کے سوا صفات کا وسیلہ
178	✽ (2)..... اعمال صالحہ کا وسیلہ
180	✽ (3)..... نیک زمرہ شخص سے دعا کروانا
181	✽ (3)..... اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات
183	✽ (4)..... مظلوم اور پریشان حال سے تعاون
183	✽ (5)..... صبر و استقامت اور نماز

پیش لفظ

کسی بھی انسان سے گناہ کا ارتکاب ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں کیونکہ انسان کہتے ہی اس ہستی کو ہیں جس سے غلطیاں، کوتاہیاں اور گناہ سرزد ہوتے ہیں لیکن ان گناہوں اور غلطیوں کو گناہ ہی نہ سمجھنا یا گناہوں کا ارتکاب کر کے اس پر اترانا، فخر کرنا اور توبہ نہ کرنا دینِ فطرت کی میزان میں انتہائی قبیح حرکت اور توہینِ آمیز جسارت ہے۔

قیامت کے روز انسان کے اعمالِ حسنہ کے ساتھ اس کے تمام اعمالِ سیئہ (گناہوں) کو بھی اس طرح رکھ دیا جائے گا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے ان گناہوں کو فوراً پہچان لے گا بلکہ ان سے انکار بھی اس کے لیے ناممکن ہو کر رہ جائے گا کیونکہ اس کے جسم کے وہ اعضاء جن سے وہ گناہوں کا ارتکاب کیا کرتا تھا، وہ بھی قیامت کے روز اللہ کی عدالت میں اس کے گناہوں پر شہادت دیں گے۔ اور اس وقت گنہگار انسان خود ہی یہ فیصلہ کر لے گا کہ ہاں میں مجرم ہوں! اللہ کا مجرم ہوں! مجھے سزا ملنی چاہیے.....!!

لیکن دوسری طرف وہ غمور و حیم ذات ہے جو چاہے تو اپنے نافرمان اور مجرم بندے کی ہر غلطی، ہر گناہ اور ہر نافرمانی کو معاف کر کے اسے سیدھا اپنی جنت میں داخلہ نصیب فرمادے اور چاہے تو گناہوں کے بقدر سزا دینے کے بعد جنت میں جگہ عطا کر دے۔ انسان کے گناہ آسمان کے تاروں برابر ہوں یا سمندر کی جھاگ، ریت کے ذرات اور زمین کی مخلوقات کے برابر اللہ کی بارگاہ میں یہ سب گناہ معاف ہو سکتے ہیں یا ان کے بدلہ میں بطور سزا جہنم میں کچھ عرصہ کے لیے داخل کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ سارے گناہ انسان کو جنت سے ابدی طور پر محروم نہیں کر سکتے۔ البتہ ایک گناہ ایسا ہے کہ اس کا ارتکاب اگر ہو جائے اور مرنے سے پہلے اس سے توبہ کی توفیق نہ مل سکے تو انسان خواہ کتنا ہی تہجد گزار عابد کیوں نہ ہو.....، کتنا ہی عالم، سخی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہی کیوں نہ ہو..... اللہ کی بارگاہ میں اس کی معافی اور تلافی کسی صورت ممکن نہیں! جنت میں اس کے داخلہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلی و ابدی طور پر پابندی لگ جاتی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت سے محروم اور جہنم کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہ گناہ وہ ہے جسے قرآن مجید نے شرک قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ السَّلَةَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ

بِاللَّهِ فَقَدْ هَمِلُ ضَلَالًا بَعِيدًا [النساء۔ ۱۱۶]

”اے اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے، ہاں وہ (اللہ تعالیٰ) شرک کے علاوہ گناہ جس کے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“

اگر انسان اس شرک سے محفوظ رہا یا شرک کا ارتکاب ہو جانے کے بعد اس نے مرنے سے پہلے سچی توبہ کر لی اور شرک کے مقابلہ میں اللہ کی توحید (وحدانیت) پر کار بند ہو گیا اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہا تو ایسا شخص کسی صورت بھی جنت سے محروم نہیں رہے گا، کیونکہ اس کا عقیدہ ٹھیک رہا ہے اور وہ توحید پر جیا اور توحید پر مرا ہے۔ اور اس نے شرک سے اپنے دامن کو محفوظ رکھا ہے۔

شرک کیا ہے؟ اور انسان شرک سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ توحید کیا ہے اور انسان توحید کو کس طرح اپنا سکتا ہے؟ عقیدہ کی درگئی کیا ہے؟ اور انسان اپنے عقیدے کو کس طرح درست رکھ سکتا ہے؟ یہ سوالات نہایت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ یہ انسان کی اخروی اور حقیقی کامیابی کے بارے میں ہیں اور کسی انسان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کون سی بات اہم ہو سکتی ہے کہ اس کی اخروی نجات کی شاہ کلید اس کے ہاتھ آ جائے۔ زیر نظر کتاب دراصل انہی سوالات کے جوابات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں نہایت سادہ اور عام فہم طریقے سے مسئلہ توحید سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور کسی شخص، گروہ یا جماعت پر کفر و شرک کے فتوے لگانے کی بجائے براہ راست قرآن مجید کی روشنی میں اصل صورت حال کو پیش کر دیا گیا ہے اور جہاں عقلی محسوس ہوئی وہاں بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور بخاری و مسلم کی مستند احادیث پڑھ لینے کے بعد معمولی شعور رکھنے والا شخص بھی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ قرآن و سنت کی ہمان کردہ حقیقت کو تسلیم کرتا ہے تو یہ اس کے لیے سعادت کی بات ہے اور اگر وہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تو یہ خود اس کی اپنی بد بختی ہے، کسی اور کا وہ کوئی نقصان نہیں کرتا۔

کتاب ہذا کو تین ابواب اور ذیلی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے باب کی چھ فصلیں ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا تعارف پیش کرتے ہوئے وجود باری تعالیٰ، مختلف ادیان و مذاہب کا تصور، اسلام کا تصور، اللہ تعالیٰ کے بارے میں پائے جانے والے گمراہانہ نظریات کا خاکہ اور تردید وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں انسان کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کی تخلیق، مراحل تخلیق، مقصد تخلیق اور نظریہ ارتقاء وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ تیسرے اور آخری باب میں اللہ اور انسان کے درمیان تعلق کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے تین ضلعوں میں بالترتیب یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ اور انسان کا پہلا تعلق عابد اور معبود کا ہے، دوسرا تعلق خالق اور مخلوق ہے جبکہ تیسرا تعلق غنی اور محتاج کا ہے۔ انسان اگر اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کی حقیقت کو سمجھ گیا تو اس کا مستحق ہے اس نے قرآن مجید کے پیش کردہ تصور توحید کو سمجھ لیا ہے۔

مسئلہ توحید کو سمجھانے کے لیے اس کتاب میں راقم الحروف نے جو اعزاز اختیار کیا ہے وہ اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں سے مختلف ہے۔ یہ اعزاز کافی سوچ و چار کے بعد اللہ کی توفیق سے میرے ذہن میں پیدا ہوا اور مختلف موقعوں پر جب میں نے مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے اس اعزاز پر تقریریں کیں تو لوگوں کی طرف سے اسے خاطر خواہ پسند کیا گیا۔ کیونکہ اس میں توحید ربوبیت، توحید الوہیت، توحید اسماء و صفات وغیرہ جیسی وہ ٹیکل علمی اصطلاحات استعمال نہیں کی گئیں جو کسی دور میں ائمہ اسلام نے اپنے ماحول کی مناسبت سے اختیار کی تھیں اور توحید پر لکھنے والے آج بھی انہی اصطلاحات کو جوں کو توں استعمال کرتے چلے آ رہے ہیں جبکہ ہمارا اردو دان طبقہ انہیں جلدی سمجھ نہیں پاتا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ ان اصطلاحات کے ذریعے توحید کے جن پہلوؤں پر عقائد کی پرانی کتابوں میں اہل علم نے روشنی ڈالی ہے، انہیں عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق عام فہم اعزاز میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ اسی ضرورت کے پیش نظر اس اہم ترین مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے۔ اگر یہ کتاب کسی ایک بھی شخص کو راہ راست پر لے آئی اور اسے توحید کی شاہراہ پر چلانے میں معاون ثابت ہوگئی تو اللہ کی بارگاہ میں میری نجات کے لیے کافی ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ!

میں ان سب احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی نہ کسی پہلو سے میری معاونت فرمائی اور اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو راقم الحروف سمیت ان تمام احباب کے لیے ذریعہ نجات بنا دے۔ آمین!

محتاج دعا

حافظ مبشر حسین

0300.4602878

حرفِ آغاز

حافظ مہر حسین ایک نوجوان عالم اور ہونہار قلم کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت تھوڑی عمر میں علم کا ایسا ذوق عطا فرمایا ہے کہ ان پر رشک آتا ہے۔ وہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالا ہو کر قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے خود کو سیراب کرتے اور پھر اس فیضانِ علم کو عام کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان کے قلم میں روانی اور ان کی زبان میں سلاست ہے۔ گہرے مطالعے کے نتیجے میں وہ اپنی ہر بات مستند حوالوں سے مزین کرتے چلے جاتے ہیں اور یوں عمارت پوری شہادت کے ساتھ سینہ قرطاس پر جگمگانے لگتی ہے۔ موصوف، پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مراحل کی تکمیل کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف دینی موضوعات پر ان کی کئی تحقیقی کتابیں اب تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب ”اللہ اور انسان“ توحید باری تعالیٰ کے حوالے سے بہت مفید کاوش ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع تعارف پیش کیا ہے جو اس کی تمام صفات عالیہ اور آسمانے حسنیٰ کا نہ صرف مکمل احاطہ کرتا ہے بلکہ بندہ مومن کے دل و دماغ کو بھی ایک مشفق صادق سے سرشار کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے کہ جس سے اسے اپنے رب کی رضا اور آخری کامیابی حاصل ہو جائے، لائق مصنف نے اسے بھی قرآن و سنت کی روشنی میں بڑی خوش آسلوبی سے پیش کر دیا ہے۔ مختلف نظریاتِ باطلہ کا مناسب جھاکہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

دور جدید میں انسان بہت مصروف ہو گیا ہے۔ اس کے پاس فرصت ہی نہیں کہ اپنی ذات اور ذاتی دلچسپیوں سے ہٹ کر کسی سنجیدہ موضوع پر سوچ و بچار کر سکے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مادی تیشات اور وسائلِ مہو و لعب جس قدر بھی ہاتھ آتے چلے جائیں، انسان خود کو سکون سے محروم پاتا ہے جب تک کہ اسے روحانی تسکین کا کوئی ذریعہ نہ مل جائے۔ اگرچہ روحانی تسکین کے لیے لوگوں نے بہت سے خود ساختہ طریقے جاری کر رکھے ہیں، مگر روحانیت کا صحیح اسلامی تصور کیا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت وسیع و عریض افق کی حامل ہے مگر اپنے حجم کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ اعجازِ تحریر سلجھا ہوا ہے اور عنوانات سلیقے سے منتخب کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی دل چسپی اور اثر انگیزی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مؤلف کی یہ کتاب بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح قبول عام حاصل کرے آمین! [حافظ محمد احمدیس حفظہ اللہ ڈائریکٹر ادارہ معارفِ اسلامیہ منصورہ، لاہور]

عقیدہ توحید..... نجات کی شاہ کلید

از قلم: پروفیسر عبدالبار شاہ صاحب حفظہ اللہ
ڈائریکٹر: ہیئت المحکمت، لاہور پاکستان

قرطاس عالم پر پھیلی ہوئی ذریت آدم عقائد و افکار کے اعتبار سے مختلف تصورات کی حامل ہے۔ نئی نوع انسان ہمیشہ فکری لحاظ سے دو گروہوں میں منقسم رہا ہے؛ ان میں سے ایک تو وحی الہی اور انبیاء و رسل طہم السلام کی ہدایت کے تابع نظر آتا ہے جبکہ دوسرا فریق متحد مذاہب کی شکل میں خود ساختہ افکار و نظریات اور اوہام و محسوسات کے طلسم بیچ مقداری میں گرفتار دکھائی دیتا ہے۔ یوں افکار و تصورات کے موضوع پر سب سے پہلا طبعی نزاع اور طبعی اختلاف وجود باری تعالیٰ کے تصور کے حوالے سے موجود رہا ہے۔ اس تصور کی توجیح و تنقیح کے سلسلے میں ائمہ دین اور فلاسفہ و متکلمین کے درمیان شروع سے اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ فکر و نظر کے اسی اختلاف کی اساس پر باقی علمی مناقشات نے جنم لیا ہے۔ یہ وہ علمی رزم گاہ ہے جس میں صدیوں سے فریقین اپنے استدلال و دیمائین کے انبار جمع کر رہے ہیں۔ مقام شکر ہے کہ اس موضوع پر مسلمانوں کا استدلال الہامی ہونے کے ساتھ ساتھ منطقی، عقلی اور سائنسی وجوہ سے بھی بیان کیا گیا ہے۔

پیش نظر تحقیقی کتاب کے جواں فکر مؤلف حافظہ بہتر حسین لاہوری نے عقیدہ و کلام کے اس موضوع پر اللہ اور انسان کے حوالے سے ایک فکر انگیز اور اطمینان بخش بحث کو پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے اسلامی استدلال کی وضاحت کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب و ادیان کے دلائل کا بھی عقلی اور کلامی جائزہ پیش کیا ہے۔ یوں اس تقابلی مطالعے نے اس موضوع میں ایک علمی شان اور تحقیقی اوج پیدا کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی صنعت کے شاہکار انسان کے حوالے سے اس کتاب میں جو مفید بحث پیدا کی گئی ہے وہ بنیادی طور پر تین اجزا پر مشتمل ہے۔ اولاً: یہ کہ اسلام کا تصور اللہ کیا ہے۔ ثانیاً: یہ کہ خود حضرت انسان کی آفرینش کا مقصد کیا ہے؟ ثالثاً: یہ کہ اللہ اور انسان کے درمیان تعلق اور رابطے کی نوعیت کیا ہے؟ یہ تمام تر کتاب انہی تین مباحث اور اس کے ضمنی اور ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے۔

تاریخ عالم کے مختلف مراحل میں انسانیت اگرچہ مختلف مذاہب اور فرق میں منقسم رہی ہے مگر وہ کسی نادیدہ خالق، خدا اور اللہ کے تصور سے یکسر غافل نہیں رہی۔ ہر مذہب میں اس ذات

باری تعالیٰ کا تصور ان کے مخصوص عقائد کے مطابق مختلف رہا ہے مگر اسلام اور اس کی پھیلی حکم اساس قرآن مجید میں اس ذات کے تعارف اور شناسائی کے مختلف مراحل میں ایک ایسی رہنمائی ملتی ہے جس کے مطالعے سے ذہنوں کو جلا اور دلوں کو کشود نصیب ہوتی ہے۔ ہمارے چاروں جانب ایک وسیع اور عظیم کائنات پھیلی ہوئی ہے اس ہمہ جہت فطرت کے ماحول میں بہت سے اسرار پوشیدہ ہیں۔ ان اسرار فطرت کے بارے میں صحیح اطلاعات بھی خالق فطرت ہی جان سکتا ہے۔ وہ اس عالم اسباب کا تھا خالق ہے اور اسی کے باعث اس کائنات میں ایک نظم، ایک تدبیر اور ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔ یہ کائنات جو اپنے خالق کی حکمتوں کا نمونہ اور نقشہ ہے اگر اس کے ایک سے زیادہ خالق ہوتے تو ہمہ وقت ایک ایسے مقام کا مظہر سامنے آتا کہ جس سے نہ تو کسی ذی روح کے اس نقشہ عالم پر موجود ہونے یا رہنے کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے اور نہ ہی اس کائنات کے مختلف اجزاء وہ سہولیات اور ثمرات فراہم کر سکتے جن کے باعث مختلف نوعیت کی مخلوقات اپنی ضروریات کے لیے ہمہ وقت لوازم حیات کو موجود پاتی ہیں اور اپنے خالق کی ربوبیت عامہ سے مستفید ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں اس وحدت میں مربوط کائنات کے مختلف اجزاء کا بہت عمدہ تعارف ملتا ہے اور حضرت انسان کو اس میں سفر کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ وہ اپنے اس کائنات کے خالق حقیقی کا صحیح شعور حاصل کر سکے۔ یوں تو کئی ایک سائنسدانوں نے بھی اس کائنات کے مشاہدے اور مطالعے میں بڑے اعتماد و تفحص سے کام لیا ہے مگر ان کے مطالعے اور مشاہدے میں ایک بنیادی نقص یہ واقع رہا کہ وہ اس کائنات کو کلیت میں دیکھنے کی بجائے اجزاء کے مشاہدے میں مصروف عمل رہے۔ اسی باعث وہ اشیاء کے مشاہدے اور ماہیت کو جاننے کے باوجود خالق اشیاء کی معرفت حاصل نہ کر سکے۔ یہ سائنسدان تغیر کائنات کے سفر پر تو روانہ ہوتے ہیں مگر مقاصد کائنات کو پورا نہیں کر پاتے کیونکہ یہ تصور اللہ کی حقیقی معرفت سے آشنا نہیں ہوتے اور اگر اس سفر میں انہیں حقیقت کبریٰ کی معرفت میسر آجائے تو ان سے بہتر کوئی مومن اور مسلم نہیں ہو سکتا۔

کائنات کے ہر حصے میں خالق کائنات کی حکمتوں کے دفتر کھلے پڑے ہیں جن کی جس قدر سیر کی جاتی اسی قدر اس کے جمال تخلیق کے راز سے آگاہی اور شناسائی ملتی ہے۔ اس کائنات کا سب سے بڑا شاہکار خود انسان ہے جو کسی نظریہ ارتقاء کا مہیون منت ہونے کی بجائے خالق اکبر کے دست ہنر کا معجز نما اظہار ہے۔ وہ ایک بین الصلب والغرائب، بدبودار اور لیس دار مادے سے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی مجسم تصویر ہے۔ اسے مادی

اللہ کے علاوہ حقیقی اور حسی قوتیں بھی حلا کی گئی ہیں جن کے باعث وہ اجزائے کائنات کا اسیر ہوئے کی بجائے ان پر حکمران رہتا ہے، انہیں اپنے دست تصرف میں لاتا اور اس کے سبب حد و حساب منافع سے استفادہ کرتا ہے۔ اس انسان کو اللہ تعالیٰ نے محل سلیم کے ساتھ وہمان وحی کے وسائل سے بھی نوازا ہے۔ محل کا یہ چراغ، وحی الہی سے مستفید ہو کر حقیقی معرفت حاصل کرتا ہے اور اجزائے آفرینش میں کارفرما مست اللہ کا ادراک کرتا ہے۔

وحی الہی کے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی انسانوں کو محض روپوش کی حیثیت سے محدود کر دیتے ہیں۔ اس حقیقت کو کھلا سہا قبائل نے ”ہال جبریل“ کی ایک نظم میں یوں پیش کیا ہے:

مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی مغرب کے خداوند درخشندہ فلوات

وہ قوم کے فیضان ساوی سے ہو محروم خدا اس کے کمالات کی ہے برقی و بخارات

لیٹھان ساوی یا وحی الہی کے بغیر سائنسی ایجادات اور اختراعات تو ممکن ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصور کو جانے بغیر ایمان، اخلاقی اور روحانی زندگی کے امکانات کو بروئے کار نہیں لایا جاسکتا۔ بلکہ اس راستے میں انسان پہلے تو خود فراموشی کا سستی سیکھتا ہے، پھر یہ خود فراموشی اسے خدا فراموشی کی منزل تک پہنچا دیتی ہے اور خدا فراموشی کی وجہ سے انسان کفر و شرک اور معصیت و نافرمانی کی دلدل میں گر کر اپنی زندگی کو ہلاکت و ضلالت سے دوچار کر لیتا ہے۔

”اللہ اور انسان“ کے عنوان سے اس نگرانگیز اور ایمان افروز کتاب کے مصنف حافظ ہمش حسین نے اپنی اس علمی کاوش کا آغاز ہی تصور اللہ کی وضاحت سے کیا ہے اور بڑی عمدگی سے مختلف مذاہب و ادیان میں اس تصور کے بارے میں جو افراط و تفریط کے مراحل ہیں ان کی نشاندہی کرتے ہوئے اسلام کے نقطہ مستقیم اور تصور خالص کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہود نے عزیز اور عیسائیوں نے مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر تصور اللہ کی نفی کر دی۔ فاضل مصنف نے اس سلسلے میں قرآنی وضاحتوں کے ساتھ تورات اور بائبل کے نقطہ نظر کو بھی پیش کیا ہے۔ غیر آسمانی مذاہب میں سے ہندومت میں تصور اللہ ”تریمورتی“، یعنی تین مختلف اشکال:

برہمن، وشنو، اور مہادیوی کی صورت میں ملتا ہے۔ اگر ہندی علم الامثال (Mythology) کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ہر ضرورت اور خوف نے ایک قابل پرستش دیوتا کی صورت اختیار کر رکھی ہے۔ بدھ مت میں وحدت الوجودی تصور کے باعث خود گوتم بدھ ہی خدائی تصورات میں شریک دکھائی دیتا ہے جبکہ اس کے پیروکاروں نے اس کی مختلف حالتوں کے ہزاروں مجسمے بنا کر اس کی تعلیم کی حقیقی روح کو مسخ کر ڈالا۔ قدیم چینوں کی

مذہبی روایات جو کنفیوٹس اور تاؤ کی تعلیمات میں ملتی ہیں، ان میں بھی دیوتاؤں اور دیویوں کی کثرت دکھائی دیتی ہے۔ ایران کے قدیم مذہب جس میں زرتشت کو ایک پیغمبر مان کر اس کے مذہبی افکار کو "اوستا" نامی کتاب میں محفوظ کیا گیا ہے، اس میں بھی نیکی اور بدی کے دو خدا، یزداں اور اہرمن کے ناموں سے ملتے ہیں۔

یوں دنیا تصور اللہ کے بارے میں ہمیشہ سے گمراہی کا شکار رہی ہے۔ اس تصور اللہ کا سب سے صحیح رخ تو محض انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ انسانیت نے خود انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو بھی مسخ کر دیا، ان کی ہدایات کی کتابوں میں تحریف کر دی اور اب قرآن مجید ہی تصور اللہ کی صحیح تشریح اور درست وضاحت کا حقیقی ماخذ اور سرچشمہ ہے جس سے فاضل مصنف نے بڑی عمدگی سے استدلال پیش کیا ہے مگر افسوس کہ مسلمانوں کے ہاں بھی ویدانت اور مجھی تقلید کی آمیزش سے اس تصور اللہ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے حوالے سے جو گمراہ کن نظریات ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کی تعبیر کے ساتھ ہمارے ہاں بعض فرقوں میں رواج پائے گئے ہیں، ان کا قرآنی تصور اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر حلول و اتحاد کے عنوان سے جو خدائی تضحیک کا سامان ہم نے پیدا کیا ہے، اس کا اسلام میں کوئی جواز موجود نہیں۔ اس دردناک داستان کی نقاب کشائی فاضل مصنف کی تصنیف کا سب سے اہم قابل مطالعہ حصہ ہے۔

اس فکر انگیز کتاب کا دوسرا باب انسانی تخلیق کے بارے میں اسلامی اور سائنسی فکر کے موازنے کو پیش کرتا ہے۔ مصنف نے بڑی عمدگی سے نظریہ ارتقاء بالخصوص ڈارون کی فکر کا علمی تجزیہ کیا ہے اور خود سائنسدانوں اور حکماء کے اس نظریہ سے اختلاف کو واضح کیا ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان مفکرین کے اس طبعے کا بھی علمی اور تحقیقی تقاب کیا گیا ہے جو نظریہ ارتقاء کے مؤیدین سمجھے جاتے ہیں۔ کتاب کے آخری باب میں اللہ تعالیٰ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے اور اس ضمن میں خالق و مخلوق، عابد و معبود اور محتاج و غنی کے حوالے سے ایک بندہ مسلم کے اپنے خالق و مالک کے ساتھ صحیح تعلق کو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے یہ تینوں ابواب ہیئت میں تصور توحید ہی کی تشریح و تفہیم سے متعلق ہیں کہ جس کو اگر کتاب و سنت کے تناظر میں نہ سمجھا جائے تو انسان شرک و معصیت کی ایک ایسی دلدل میں گر جاتا ہے کہ اس کی نام نہاد محبت و عقیدت کے سارے پیمانے جہل اعمال اور خسران مبین کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اپنے اس مقصد کے اعتبار سے

یہ تصنیف ایک کامیاب علمی کوشش ہے۔

اس کتاب کے فاضل معصف حافظ ہنر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ وہ قدیم و جدید علوم سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف وہ اسلامی علوم و فنون کے شادور ہیں تو دوسری طرف انہوں نے جدید علوم کے حصول میں بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ قدیم علوم کے سلسلے میں اگر انہوں نے مدارس دینیہ سے استفادے کی راہیں ہموار کیں، تو جدید علوم کے حوالے سے وہ اب جامعہ پنجاب میں پی ایچ ڈی کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ ملک کے علمی اور تحقیقی جرائد و رسائل میں ان کے رشتات فکر کثرت سے شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محض رسمی موضوعات پر قلم اٹھانے کی بجائے سنجیدہ اور علمی عنوانات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ یہی بات ہے کہ ان کی ایک درجن کے قریب علمی تصانیف پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ سب ان کی علمی قد و قامت کی بلندی پر شاہد و عادل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک علمی اسلوب کا حامل بنایا ہے۔ ان کے اسلوب میں ایک عالمانہ وقار اور تحقیقی روح شامل ہے۔ ایک مترجم کی حیثیت سے انہیں عربی زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔ وہ جدید تحقیق کے مزاج، اسلوب اور تقاضوں سے کما حقہ آگاہ ہیں جس کی بنا پر ان کی تحریریں مناسب حوالوں اور تخریج و تحقیق کے ساتھ آراستہ ہیں۔ وہ خواہش اور تعلیقات کے فن سے بھی باخبر ہیں۔ دور جدید میں ایسے صاحبان علم اور ارباب تحقیق کی اشد ضرورت ہے کہ جو ایک طرف کتاب و سنت کے چشمہ صافی سے سیراب ہوں تو دوسری طرف جدید علوم کے ماخذ اور مراجع سے بھی شناسائی رکھتے ہوں۔ دور جدید کی اس جدید تر کروٹ میں فکر و نظر کی صحیح رہنمائی کے لیے جس انداز فکر سے اسلوب نگارش کی ضرورت ہے عزم اس سے بخوبی آراستہ ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ مسلم کو علم و فضل کی مزید دولت سے فیض یاب کریں گے اور ان کے اسلوب کو مزید ایسی توانائی عطا کریں گے کہ جس سے امت مسلمہ کی بیداری کی موجودہ لہر میں ان کا قلم اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔ ان کا عنوان شباب علم و تقویٰ سے عبارت ہے۔ ہم ان کے پر عزم اور روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہیں، جن تعالیٰ انہیں جسم و جان اور علم و عمل کی بہترین قوتیں عطا کرے اور ان کے ان علمی اور تحقیقی کاموں کو عامۃ المسلمین کے لیے مفید اور نافع بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

باب اول

اللہ ﷻ..... ایک تعارف

اس باب میں اللہ تعالیٰ کے وجود و تعارف کے حوالے سے چند فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ پہلی فصل میں وجود باری تعالیٰ کا اثبات مختلف عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں تصور اللہ کے بارے میں مختلف ادیان و مذاہب کے نقطہ ہائے نظر کو بالاختصار بیان کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں اسلام کا تصور اللہ قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ چوتھی فصل میں صوفیاء کے حوالے سے اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ پانچویں فصل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں پائے جانے والے چند گمراہانہ عقائد و نظریات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کا بطلان واضح کیا گیا ہے۔ چھٹی فصل میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے کچھ ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔



www.kitabosunnat.com

کیا اللہ ﷻ موجود نہیں؟

انسان اپنی تاریخ کے ہر دور میں یہ سوچتا رہا ہے کہ وہ خود کیا ہے؟ کیسے اور کیوں پیدا ہوا ہے؟ مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ جس کائنات میں وہ زندگی گزارتا ہے اسے کس نے بنایا ہے؟ جس زمین پر وہ چلتا، جس آسمان کے نیچے وہ سانس لیتا، جن وادیوں، پہاڑوں، میدانوں اور پانیوں سے وہ گزرتا اور جن وسائل کو وہ کام میں لاتا ہے، ان سب چیزوں کو کس نے بنایا ہے؟ کیا یہ چیزیں ہمیشہ سے اسی طرح ہیں یا کسی خاص زمانے میں ان کی ابتدا ہوئی تھی؟ اگر کسی خاص وقت میں ان کی ابتدا ہوئی تھی تو آیا اتفاقاً ایسا ہوا تھا، یا کسی طے شدہ منصوبہ کے تحت ایسا کیا گیا تھا؟؟؟

یہ وہ سوالات ہیں جو انسانی تاریخ کے ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور ہر دور کے دانشور و مفکرین، فلاسفہ و متفکرین اور انبیائے مرسلین ان کے جواب دیتے رہے۔ ان میں سے بعض سوالات تو وہ ہیں جن کا تعلق ہمارے عالم محسوسات سے نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنی عقل و مشاہدہ کی بنیاد پر ان سب کا سو فیصد درست جواب ہرگز نہیں دے سکتا، بلکہ ان کا جواب دینے میں انسانی عقل غلطی کا بھی پورا امکان رکھتی ہے جبکہ کوئی فوت شدہ انسان بھی واپس اس دنیا میں آ کر ہمیں اگلے جہان کی چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ البتہ اگر ان کے جوابات آسمانی وحی کی روشنی میں تلاش کیے جائیں تو نہ صرف یہ کہ ان کے سو فیصد درست جواب ہمیں ملیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کائنات میں اللہ کی مرضی کے مطابق اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی رہنمائی بھی ہمیں حاصل ہوگی۔ آئندہ سطور میں عقل اور وحی الہی کی روشنی میں ان سوالات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ ان شاء اللہ

نباتات کون اگاتا ہے؟

انسان زمین میں چھوٹا سا بیج ڈالتا ہے اور ایک خاص مدت کے بعد اسی بیج سے پودا نکلتا ہے جو بتدریج بڑھتے بڑھتے تنا اور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک کسان زمین میں گندم کے دانے ڈالتا ہے اور کچھ عرصہ بعد اس سے پودے نکلتے ہیں جو چند ماہ میں لہلہاتی فصل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

یہ وہ مثال ہے جس کا مشاہدہ ہم آئے روز کرتے رہتے ہیں لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا ہے کہ آخر ایک بیج اور دانے سے پودا کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟ پھر وہ پودا بڑھتے بڑھتے فصل یا درخت کی شکل کیونکر اختیار کر لیتا ہے؟ پھر اس پر مزید اربھل اور خوشبودار پھول کیسے اُگ آتے ہیں؟؟

اگر تو کوئی انسان یہ کہے کہ زمین کی قوت، پانی کی طاقت، سورج کی حرارت، ہوائی گیسوں (آکسیجن، کاربن، نائٹروجن) کا عمل اور خود کسان کی محنت سے یہ سب کچھ وجود میں آتا ہے تو اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کو اُگانے کی قوت آخر کس نے دی ہے؟ پانی، نمی، حرارت، گرمی اور ہوا وغیرہ میں اُگانے کی خصوصیات کس نے رکھی ہیں؟ پھر ان تمام چیزوں میں وہ توازن کس نے پیدا کر دیا جو فصلوں کی پیداوار کے لیے ضروری ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود پانی، ہوا اور حرارت کو کس نے وجود بخشا ہے؟ پانی اگر گیسوں (ہائیڈروجن اور نائٹروجن) سے مل کر بنتا ہے تو ان گیسوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ حرارت اگر سورج سے پیدا ہوتی ہے تو خود سورج کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اگر ہم ہوا، پانی اور حرارت کا وجود تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ انہیں وجود عطا کرنے والا بھی کوئی ہے اور یہ ساری چیزیں ہر لحاظ سے اس کے کنٹرول میں ہیں کیونکہ ہم بار بار یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کسان کے ہل چلانے، گوڈی کرنے، بیج ڈالنے، پانی دینے اور رکھوالی کرنے کے باوجود زمین فصل اُگانے سے انکار کر دیتی ہے یا ہوا اپنے توازن و احتمال سے ہٹ کر طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہے یا پانی سیلاب بن کر بہہ پڑتا ہے اور کٹری ہوئی فصلیں تباہ اور پھلوں کی نوید سنانے والے باغات ویران

ہو جاتے ہیں۔ پھر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی قطعہ ارضی پر ایک کی فصل اُگتی اور خوب اُگتی ہے جبکہ دوسرے کی فصل پودے بھی نکال نہیں پاتی، ایک ہی وقت پر آنے والا طوفان ایک کے کھیت کھلیان اور باغ کو ایسا تباہ کرتا ہے کہ ایک بھی پھلدار درخت باقی نہیں بچتا جبکہ ساتھ ہی موجود دوسرے کا نہ کھیت اجڑتا ہے اور نہ پھل ضائع ہوتا ہے۔

یہ سب اشارات ہیں اس بات کے کہ ایسا اتفاق نہیں ہوتا بلکہ کسی طے شدہ منصوبے کے تحت ہوتا ہے۔ عظیم تو بہت جلد سمجھ لیتا ہے کہ کوئی ذات اور ہستی ایسی ضرور ہے جو چاہے تو ہوا، پانی، حرارت وغیرہ میں توازن پیدا کر کے نباتات اُگادے اور قطعہ ارضی کو پھلوں اور پھولوں سے بھر دے اور چاہے تو ان اشیاء کا توازن خراب کر کے ہوا کو طوفان، پانی کو سیلاب، حرارت کو آگ اور زرعی زمین کو بنجر و بے آب و گیاہ بنا دے۔ عظیم بالآخر یہی فیصلہ کرتا ہے کہ یہ پانی، ہوا، روشنی وغیرہ جس ہستی کے کنٹرول میں ہیں، میں اسی ہستی کو اپنا محبوب بنا لوں اور اسی کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ ممکن ہے وہ سب کر گزروں۔ یقین کیجیے عقل و منطق کی عدالت میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ کیا ہی نہیں جاسکتا کیونکہ یہ سب اشیاء تو کسی بلند و بالا آقا کی غلام و خدام ہیں جبکہ آقا اور غلام کے مقابلہ میں غلام کو نہیں بلکہ آقا کو راضی کیا جاتا ہے مگر بے وقوف ہے وہ شخص جو آقا کو چھوڑ کر غلام کو راضی کرنے لگے، جو ہوا، روشنی اور پانی کے خالق کو چھوڑ کر خود انہی چیزوں کو بلند و بالا سمجھ لے اور ان کے آگے سجدہ ریز ہو جائے!

اس سلسلہ میں قرآن مجید بھی عظیموں کے فیصلے کی تائید کرتا اور یہ پیغام دیتا ہے کہ ہوا، پانی اور روشنی وغیرہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، زمین سے نباتات اُگاتا ہے اور ہوا، روشنی اور نمی میں توازن پیدا کرتا ہے۔ ان میں سے کسی ایک ہی چیز کو اگر وہ روک لے یا اس کا توازن بگاڑ دے تو ساری دنیا کے کسان مل کر ایک دانہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيَنْظُرَ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ أَنَا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شِقَاقًا فَبَنَيْنَا فِيهَا حَبَابًا وَعَسَاوًا لِّضَبَابٍ وَزَيَّنَّوْنَا وَنَخَلَاوًا حَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبْنَامًا عَالِمِكُمْ وَلَا نِعَامِكُمْ﴾ [عبس ۷۴ تا ۷۲]

”انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کی طرف دیکھ لے کہ ہم نے خوب پانی برسایا پھر پھاڑ زمین کو اچھی طرح۔ پھر اس میں سے اناج اگائے اور اگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغات اور میوہ اور (گھاس) چارہ (بھی اگایا) تمہارے استعمال و فائدہ کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے۔“

﴿اَلْهَرَاۤیْتُمْ مَا خَرْتُوْنَ اَلنَّعْمَ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَعْنُ الزَّرْعُوْنَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰہٗ حُطًا مَّا نَفَلْتُمْ تَفْکٰہُوْنَ اِنَّا لَمُفْرَمُوْنَ بَلْ نَعْنُ مَعْرُوْمُوْنَ اَفَرَاۤیْتُمْ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ اَلنَّعْمَ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِّنَ الْمُزْنِ اَمْ نَعْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنٰہٗ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ﴾ [الواقعة - ۶۳ تا ۷۰]

”اچھا پھر یہ بھی بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟! اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا، بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہماری مرضی ہو تو ہم اسے کڑوا کر کر دیں پھر تم ہماری شکرگزاری کیوں نہیں کرتے!“

جمادات اور کائنات کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اگر انسان احمق نہ ہو بلکہ صاحب شعور ہو تو وہ لازماً یہ بات کہے گا کہ دکان، مکان، پلازہ اور محل بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتا۔ بن، گھڑی، سوچ، ریڈیو، کمپیوٹر، سی ڈی، کیسٹ، ٹیپ، فون، موبائل فون، فیکس، ٹی وی، بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتے۔ چادر، کپڑا، (لباس) کبل، قالین، بستر، تکیہ، بچھونا، چارپائی، پنک، بیڈ، صوفہ، کرسی، میز بغیر کسی تیار کرنے والے کے خود بخود تیار نہیں ہو سکتے۔ راکٹ، میزائل، چاند گاڑیاں، ایٹم بم، ریڈار، طیارے، بارود، کیمیائی مادے وغیرہ بغیر محنت و کاوش کے نہیں بن سکتے۔

دیوبند کے بحری اور ہوائی جہاز، آبدوزیں اور بیس یا ان سے بھی بڑی بڑی اشیاء خود بخود وجود میں نہیں آتیں اور نہ ہی چھوٹے چھوٹے کیل، کانٹے اور سونیاں یا ان سے بھی چھوٹی چھوٹی چیزیں اتفاقاً بن جاتی ہیں بلکہ ان سب اشیاء کے پیچھے ایک نہیں سینکڑوں

دماغوں کی ذہانت اور ہزاروں افراد کی محنت شامل ہوتی ہے۔ بلاغور و لگر اور بغیر محنت و کوشش کے آج تک نہ کوئی مفید چیز خود بنی ہے اور نہ ہی کوئی مضر چیز بغیر منصوبے کے خود ہی اتفاقاً وجود میں آتی دیکھی گئی ہے۔ کچھ بھی صورت حال کائنات کی ہے۔

اس کائنات میں زمین ایک کچھونا ہے۔ چھوٹے سے بچے کا کچھونا اگر ماں باپ نہ بنائیں تو وہ خود بخود نہیں بن جاتا، پھر اتنا بڑا کچھونا آخر خود بخود کیسے بن سکتا ہے؟ آسمان اس زمین پر چھت ہے اور وہ بھی ایک عجوبے کی حیثیت سے۔ کیونکہ یہ ایسی چھت ہے جس کے نیچے کوئی سہارا، کوئی ستون موجود نہیں ہے۔ پوری سجدگی سے غور کیجئے کہ آخر اتنی بڑی چھت اور وہ بھی بغیر سہارے کے کیسے بن گئی اور پھر پوری امانت داری سے فیصلہ کیجئے کہ اس کا بنانے والا کیا ہم انسانوں سے بڑھ کر طاقت والا قدر کا مالک نہیں؟

اسی آسمان میں سورج، چاند اور ستارے ہیں جو روشنی، حرارت، خوبصورتی اور سمت و تاریخ معلوم کرنے کا کام دیتے ہیں۔ غور کیجئے کہ ہمیں اپنی ذات کے لیے روٹی پکانا ہوتا آگ کا انتظام کرنے یا چولہا جلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور رات کے اندھیرے کو اجالے میں بدلنے کے لیے روشنی کا مقبول بندوبست کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بغیر کسی کنٹرول کرنے والے کے نہ چولہا اور تھمدور بنتا ہے، نہ آگ جلتی ہے نہ روٹی پکتی ہے اور نہ اندھیرے میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو ایک چھوٹے سے چولہے، تھمدور اور برقی بلب وغیرہ کی مثال ہے۔ اب غور کیجئے کہ اتنا بڑا سورج جو ساری دنیا کی فصلوں کو پکانے میں حرارت اور بے شمار ضروریات زندگی کے لیے توانائی مہیا کرتا ہے، یہ اسے کام کی چیز خود بخود اور وہ بھی اتفاقی و حادثاتی طور پر آخر کیسے بن سکتی ہے؟

جس طرح ٹھنڈی آدمی مکان، جہاز، کمپیوٹر، میزائل، گھڑی، گاڑی وغیرہ کو دیکھ کر فوراً یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ ان کا کوئی نہ کوئی موجد ضرور ہے اور بغیر موجد کے یہ اشیاء نہیں بن سکتیں اسی طرح صاحب شعور انسان وہ ہے جو کائنات اور اس کی اشیاء کو دیکھ کر بلا تردید یہ فیصلہ کر لے کہ ان اشیاء کو بنانے والا بھی کوئی ہے اور وہ انسانی طاقتوں سے کئی گنا زیادہ طاقتوں کا مالک ہے۔ ایسے ہی فہم و ادراک رکھنے والوں کی تائید قرآن مجید کرتا ہے اور

دیگر انسانوں کو بھی آگاہ کرتا ہے کہ یہ زمین، یہ آسمان، یہ سورج، یہ چاند اور ستارے، یہ پہاڑ، دریا، سمندر اور ندی نالے، یہ سب کچھ ایک اللہ ہی نے بنائے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ [یونس-۳]

”بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ (۶) روز میں پیدا کر دیا پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔“

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عِذَّةَ النَّيِّنِ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُعْلَمُونَ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُتَّقُونَ﴾ [یونس-۶۵]

”وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو علم رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔“

﴿لَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ مَبَاقًا وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَاجًا وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا﴾ [النبا-۱۶ تا ۱۶]

”کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو ستھیں (نہیں بنایا؟) اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا سبب بنایا۔ اور رات کو ہم نے پردہ بنایا ہے اور دن کو ہم نے (وقت) روزگار بنایا اور تمہارے اوپر ہم نے

سات مضبوط آسمان بنائے۔ اور ایک چمکتا ہوا روشن چراغ پیدا کیا۔ اور بدلیوں سے ہم نے بکثرت بہتا ہوا پانی برسایا تاکہ اس سے اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ (بھی اگائے)۔“

انسان اور حیوانات کا خالق کون ہے؟

سائنس دانوں کی تحقیقات کے مطابق انسانوں اور جانوروں کا جسم جن اجزا سے مل کر بنا ہوا ہے، ان میں فاسفورس، گندھک، لوہا، کوئلہ، ٹیلیسیم، ٹمک، کاربن، آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن گیسیں اور ایسے ہی چند اور معمولی چیزیں شامل ہیں لیکن ان چیزوں کو ملا کر آج تک کوئی سائنس دان ایک جاندار بھی پیدا نہیں کر سکا اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّمَّا فَسَخَّمُوا لَهُ إِنْ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يُخْلِقُوا ذَبَابًا وَلَا يَخْتَمُوا لَهُ وَالْإِنْسَانُ لَشَيْئًا لَا يَسْتَفْقِدُهُ مِنْهُ ضَعْفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ مَا قَدَّرُوا اللَّهُ حَقَّ قَدْرِهِ إِنْ اللَّهُ لَقَوِيٌّ

عَزِيزٌ﴾ [الحجج - ۷۳، ۷۴]

”اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے، ذرا کان لگا کر سن لو، اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں، بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے چھین نہیں سکتے۔ بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے وہ جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں، اللہ تعالیٰ بڑا ہی زور و قوت والا اور غالب و زبردست ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ اس نے خوبصورت انسان اور جاندار مخلوق کو پیدا کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ [التین - ۴]

”تحقیق ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي
جَوْ السَّمَاءِ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی
نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے کہ تم شکرگزار
کرو۔ کیا ان لوگوں نے (ان) پرندوں کو نہیں دیکھا جو تابع فرمان ہو کر فضا میں ہیں
جنہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور تھا ہے ہوئے نہیں، بے شک اس میں ایمان
لانے والے لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“ [النحل۔ ۷۸، ۷۹]

کائنات کی کوئی چیز بھی خود بخود پیدا نہیں ہوئی!

گزشتہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ یہ کائنات اور اس میں بسنے والی مخلوقات سب کی
سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں اور اس کائنات میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی
مرضی و اذن کے بغیر خود بخود پیدا ہوگئی ہو۔ یہی بات قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿إِنَّمَا خَلَقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ [الطور۔ ۳۵]

”کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود
پیدا کرنے والے ہیں؟“

بغیر منتظم کے کوئی نظام نہیں چلتا!

کوئی بھی صاحب عقل کسی شخص کی یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ..... ”شہر میں ایک
جوٹوں کا ایسا کارخانہ ہے جس میں نہ کوئی مالک ہے نہ مزدور۔ نہ کوئی نگران ہے نہ
چوکیدار۔ خود بخود وہاں اینٹ، سیمنٹ اور سر یا پینچ گیا پھر خود بخود اس کی دیواریں، کمرے
اور چھت بن گئی۔ پھر خود بخود اس میں مشینری نصب ہوئی اور اب وہ کارخانہ خود بخود چل
رہا ہے۔ خود ہی وہاں خام مال پہنچ جاتا ہے اور خود ہی وہ مشینوں میں حسب مقدار داخل
ہوتا ہے اور خود بخود اس سے مطلوبہ چیزیں تیار ہو کر نکلتی اور دکانوں پر فروخت ہو جاتی ہیں
اور یہ سلسلہ سالہا سال سے بغیر کسی انقطاع اور خرابی کے چل رہا ہے.....“

اگر جوتے بنانے والے ایک چھوٹے سے کارخانے کے بارے میں کوئی ٹھنڈے یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ خود بخود بن کر خود بخود چل رہا ہے تو پھر ارض و سما، شمس و قمر، بحر و بر، جمادات و نباتات اور انسان اور حیوانات پر مشتمل اتنا بڑا کارخانہ جسے کائنات کہتے ہیں، کے بارے میں کیسے فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود بخود بن کر خود بخود چل رہا ہے اور اس کا کوئی نگران نہیں ہے، کوئی مالک نہیں ہے، کوئی مدبر و منتظم نہیں ہے۔ اگر دماغ میں خلل نہ ہو تو انسان کارخانہ کائنات کو دیکھ کر فوراً شہادت دے گا کہ اس کائنات کا کائی نہ کوئی مدبر و منتظم ضرور ہے اور وہ مدبر و منتظم کون ہے؟ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ مدبر اور وہ منتظم اللہ وحدہ لا شریک ہے۔

کائنات کا مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہے!

کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک مملکت کے دو بادشاہ ہوں اور دونوں کا برابر حکم چلتا ہو اور اس کے ساتھ وہ مملکت بھی نہایت پر امن طور پر چل رہی ہو۔ دن دو گنی اور رات چو گنی ترقی بھی کر رہی ہو بلکہ جہاں ایک بادشاہ کے مقابلے میں کوئی دوسرا بادشاہی کا دعویٰ کرے وہاں فوراً امن تباہ ہو جاتا ہے، اختیارات کی جنگ چھڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ مملکت تو تباہ ہوتی ہی ہے مگر اس کے ساتھ دونوں بادشاہوں میں سے یا تو ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہوتا ہے یا پھر دونوں ہی تباہ ہو جاتے ہیں اور کوئی تیسرا خود مختار و صاحب اقتدار بن جاتا ہے۔ یا پھر وہ مملکت ہی تقسیم ہو جاتی ہے اور ہر حصے کا بادشاہ اپنے زیر مملکت حصہ میں صرف اپنا نظام چلاتا ہے۔

یہ پوری کائنات بھی ایک وسیع تر مملکت ہے۔ اس مملکت میں لیک جامع وہمہ گیر نظام کام کر رہا ہے۔ سورج، چاند، ستارے اس نظام کے پابند ہیں، اور کبھی اس سے انحراف کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلا ہو یا اس نے طلوع ہونے سے انکار کر دیا ہو یا چاند زمین پہ آگرا ہو، یا ستارے اپنے راستے سے ہٹ گئے ہوں یا نظام فلکی نظام ارضی سے یا نظام ارضی نظام فلکی سے جا ٹکرایا ہو بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے منتظم کے بنائے ہوئے نظام

میں انتہائی پابندی اور پر امن طریقے سے چل رہا ہے اور ہمیشہ سے ایسے ہی چلتا چلا آ رہا ہے۔

نور کیجیے اگر ایک چھوٹی سی مملکت میں ایک سے زیادہ بادشاہ کھڑے ہو جائیں تو وہ مملکت تباہ اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے تو اتنی بڑی کائنات میں اگر ایک سے زیادہ منتظم (خدا) ہوتے تو کیا پھر یہ کائنات اس طرح چل سکتی تھی جس طرح اب چل رہی ہے یا اس میں ایک مملکت سے بدرجہا بڑھ کر تباہی و بربادی پیدا ہو جاتی؟

ایک عقلمند اس کا جواب یہی دے گا کہ اگر ایک سے زیادہ خدا اس کائنات میں ہوتے تو پھر اس کا پر امن نظام کسی طرح بھی چل نہیں سکتا تھا اور اس نے ایک رزم گاہ بن جانا تھا۔ ایک خدا کا یہ حکم ہوتا کہ سورج مشرق سے طلوع ہو مگر دوسرے کافر مان یہ جاری ہوتا کہ مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو۔ ایک نے کہنا تھا کہ میں آج بارش برساؤں گا، دوسرے نے کہنا تھا میں تو آج آگ برسانا چاہتا ہوں۔ پھر اس کے بعد وہی کچھ ہوتا جس کی ادنیٰ سی جھلک ہولناک آندھی، خوفناک طوفان، خونریز جنگ اور تباہ کن حادثہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی یہ حقیقت اسی انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ [الانبیاء- ۲۲]

”اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس اللہ رب العرش ان باتوں سے پاک ہے جو وہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔“

﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَأَبْتَعُوا إِلَيَّ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُقُولُونَ غُلُّوا كَبِيرًا﴾ [بنی اسرائیل - ۴۲، ۴۳]

”کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں تو ضرور وہ اب تک ما لکِ عرش کی جانب راہ ڈھونڈ نکالتے۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ اس سے پاک اور بالاتر، بہت دور اور بہت بلند ہے۔“

﴿هَمَّا أَخَذَ الْمَلَأُ مِنْ وُلْدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ اللَّهِ إِذَا لَدَّهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ
وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ﴾ [النومنون - ۹۱]
”اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی دوسرا معبود اس کے ساتھ نہیں ہے۔
اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ
دوڑتے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔“

ایک سے زیادہ خداؤں کا وجود محال ہے!

اس کائنات میں ایک سے زیادہ خدا ہونے کا تصور کسی طرح بھی معقول نہیں ہے
کیونکہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو وہ بھی یا تو قوت و اقتدار میں برابر ہوتے یا کچھ
چھوٹے اور کچھ بڑے ہوتے۔ اگر تو کبھی برابر قوت کے مالک ہوتے تو پھر ایک دوسرے
کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اور یوں کبھی اس پہلو سے عاجز ہوتے اور جو خود عاجز ہو وہ بھلا خدا
کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے اور اگر کچھ خدا چھوٹے اور کچھ بڑے ہوتے تو یقیناً ہر چھوٹا اپنے
بڑے کے مقابلے میں کمتر، مغلوب اور کمزور ہوتا ہے اور یوں سب سے بڑے ایک
خدا کے علاوہ باقی تمام میں کمزوری، کمتری اور چھوٹائی کے عیوب پائے جاتے اور جس
میں عیب ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کے
اختیارات میں مداخلت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر تو ایک دوسرے کے نظام میں مداخلت
کر سکتا ہے تو دوسرا اسے روک نہیں سکتا تو پھر دوسرا عاجز ہے اور پہلا خود مختار۔ اور خدا
صرف اسے ہی مانا جاسکتا ہے جو عاجز نہیں بلکہ خود مختار ہو۔ اور اگر ایک مداخلت کرے
اور دوسرا بھی مقابلہ کرے تو اس کے نتیجے میں کائنات کا نظام چل نہیں سکتا (جیسا کہ پیچھے
ہم نے بیان کیا ہے) اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ سارے باہمی تعاون سے چل رہے
ہیں تو اس کا معنی ہے وہ کبھی ایک دوسرے کے تعاون کے محتاج ہیں اور جو محتاج ہو وہ اللہ
نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر خدا کی کائنات الگ ہے تو یہ بات بھی غلط ہے اس
لیے کہ کائنات تو ایک ہی ہے اور اگر وہ پر امن طریقے سے چل رہی ہے تو اسے چلانے
والا بھی ایک ہی ہے ایک سے زیادہ ہرگز نہیں۔

اللہ نظر کیوں نہیں آتا.....؟

کسی کتاب میں میں نے بات پڑھی کہ کسی گاؤں کی چوپال پر ایک دانشور آیا اس نے السلام علیکم کی بجائے ہلو ہلو کر کے اپنے ترقی پسند ہونے کا ثبوت دیا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے کہنے لگا کہ لوگو! تمہارے سامنے جو بلعدہ بالا پہاڑ ہے کیا تم اسے دیکھ سکتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: کیا تم اس پہاڑ کے پتلو میں بچتے ہوئے دریا کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس نے کہا: کیا تم اس کے کنارے پر قطار در قطار لگے درختوں کو دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ تو وہ ہاؤس بنانا کر بولا: یہ سب چیزیں تمہیں اس لیے دکھائی دے رہی ہیں کیونکہ ان کا وجود ہے لیکن کیا تم نے کبھی اس خدا کو بھی دیکھا ہے جسے تم مانتے اور بغیر دیکھے پوجتے رہتے ہو؟

باپو کے اس سوال پر چوپال میں موجود تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ پھر اچانک لوگوں کے مجمع میں سے ایک بوڑھا شخص اٹھا اور لوگوں سے یوں مخاطب ہوا: لوگو! کیا تمہیں یہ باپو دکھائی دے رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر اس بوڑھے نے کہا: کیا تمہیں اس کی ٹائی، پینٹ، کورٹ، ہاتھ، پاؤں، سر اور آنکھیں دکھائی دے رہی ہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ پھر وہ بوڑھا بڑے اعتماد سے بولا: اچھا سچ بتاؤ کیا تمہیں اس کی شکل دکھائی دے رہی ہے؟ سب لوگوں نے کہا: نہیں۔ تو بوڑھے نے سینہ تان کر کہا کہ اس کی شکل اس لیے دکھائی نہیں دیتی کہ اس میں شکل نہیں ہے۔ بوڑھے کا یہ جواب سن کر وہ باپو ہکا بکارہ گیا اور وہاں سے بھاگ نکلے ہی میں اس نے اپنی عافیت سمجھی جبکہ چوپال میں موجود دیہاتیوں کے عقوبہ دور دور تک اس کا پتھا کرتے رہے۔

یہ ایک عام فہم مثال ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز اپنا وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ بے شمار چیزیں وجود رکھتی ہیں مگر وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتیں۔ اور اس کے باوجود ہم ان چیزوں کی موجودگی تسلیم کرتے ہیں۔ کچھ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دکھائی نہیں دیتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ، اللہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ جس طرح ہم اپنی شکل، اپنی

روح اور ایسی ہی بہت سی ان دیکھی چیزوں کے وجود کو بلا تامل تسلیم کرتے ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ یقین و اعتماد سے ہمیں اللہ تعالیٰ کے وجود و موجودگی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا اثبات نہ صرف یہ کہ وحی الہی سے ہوتا ہے بلکہ عقل و منطق کی میزان بھی مختلف پہلوؤں سے وجود باری تعالیٰ کا اثبات کرتی ہے۔ اس کی تفصیلات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں یہاں ہم صرف اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ موجود ہیں تو پھر انسان سے دور اور اس کی نگاہوں سے اوجھل کیوں ہیں؟

اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے اس مثال پر غور کیجیے:

ایک استاد اپنے شاگردوں کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ وہ کمرہ امتحان میں شاگردوں کو دیانتداری سے کام کرنے کی تلقین کر کے خود ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور کسی ایسی جگہ جا کر انہیں دیکھتا رہتا ہے جہاں سے اس کے شاگرد اسے نہیں دیکھ سکتے۔ استاد کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ وہی شاگرد دیانتداری سے کام کرے گا جو امانت و دیانت کے تقاضے پورے کرنا اپنا فرض اور استاد کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری سمجھتا ہے مگر جو اس ذمہ داری کی پروا نہیں کرتا وہ اس کے تقاضے بھی پورے نہیں کرتا اور استاد کے نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی دھوکہ دہی شروع کر دیتا ہے جبکہ استاد اپنے ہر شاگرد کو دیکھ رہا ہے اور اسے بخوبی معلوم ہے کہ کس نے امانت و دیانت سے پرچہ حل کیا ہے اور کس نے کتنی نقل کی ہے۔ پھر وہ ان کی کارکردگی کے مطابق ہی انہیں نمبر دیتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی شاگرد نے سو نمبروں کا پرچہ صحیح حل کیا ہے مگر وہ سارا نقل کیسا تھ کیا ہے تو استاد اسے ایک نمبر بھی نہیں دیتا۔ قریب قریب یہی صورتحال اس دنیا کی زندگی کی سمجھ لیجیے۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اپنے انبیاء کے ذریعے اس نے اپنی ہدایات بھیج دی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں مگر ہم اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں۔ وہ ہماری تمام حرکات و سکنات سے آگاہ ہے اور ہر لمحہ ہمیں دیکھ رہا ہے کہ کون میری بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق کام کر رہا ہے اور کون اس سے انحراف کر رہا ہے۔ پھر قیامت کے روز وہ ہر ایک کو اس کے انہی اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

جب ہم کائنات کی تخلیق کے حوالے سے یہ غور کرتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزوں کو کس نے پیدا کیا؟ اور اس کا جواب یہ پاتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے“ تو ہمارے ذہن میں نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے تو خود اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ساری کائنات کو جس خالق نے پیدا کیا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بالفرض کسی اور نے پیدا کیا ہے تو پھر اس پر سوال پیدا ہوگا کہ اس ”اور“ ذات کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اس کے جواب میں جس کسی ذات کا نام لیا جائے گا، اس پر پھر سے یہ سوال عائد ہو جائے گا کہ اسے پھر کس نے پیدا کیا ہے؟ اس طرح یہ سوال کا سلسلہ برابر قائم رہے گا۔ حتیٰ کہ کسی نہ کسی ذات پر جا کر ہمیں یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ فلاں ذات کو کسی نے پیدا نہیں کیا اور حقیقت یہ ہے کہ یہی جواب اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاصل ہوتا ہے کہ ساری مخلوقات کی انہما اس ذات پر ہوتی ہے اور وہ سبھی کا خالق ہے جب کہ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔

اس طرح کے سوالات چونکہ انسان کے لیے ذہنی پراگندگی کا باعث بنتے ہیں اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس طرح کے سوالات پر غور کرنے سے بھی منع فرمادیا تاکہ کہیں کوئی شخص گمراہ نہ ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((يَأْسَى الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ: مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتَّى يَقُولَ: مَنْ خَلَقَ رَبِّي؟ فَاذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَلِيَنْتَه)) [بخاری: کتاب بدء

الخلق: باب صفة ابليس --- (ح ۳۲۷۶) مسلم: کتاب الایمان (ح ۱۳۴)]

”شیطان تم میں سے کسی ایک کے پاس آ کر (اس کے دل میں) کہتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور فلاں فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب بندے کی یہ حالت ہو تو اس کو چاہیے کہ تعوذ پڑھے اور (مزید غور و فکر) سے رک جائے۔“

دوسری فصل

www.kitabosunnat.com

مختلف ادیان و مذاہب کا تصورِ الہ

ہر دین و مذہب میں اللہ (خدا) کے بارے میں کوئی نہ کوئی تصور ضرور موجود رہا ہے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبی و رسول مبعوث کیے جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس تصور حقیقی سے آشنا کروانے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جو خود اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کروانا چاہتے ہیں۔ اور دنیا میں کوئی گروہ اور کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کی طرف انبیاء و رسل، الہی تعلیمات لے کر نہ پہنچے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی شہادت اپنی کتاب میں اس طرح دی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا﴾ [النحل-۳۶]

”حقیق ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔“

﴿وَمَا مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ [فاطر-۲۴]

”اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی کہ جس میں کوئی ڈرسانے والا (پیغمبر) نہ گزرا ہو“

یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کی قوموں اور ملتوں میں سے کسی نے انبیاء و رسل کی تعلیمات کو تسلیم کیا اور کسی نے نہ کیا۔ کسی نے ان تعلیمات کو تسلیم کرنے کے بعد جلد ہی اپنی حسبِ نسا اس میں تبدیلی پیدا کر لی اور کسی نے دیر سے ایسا کیا۔ جبکہ بہت تھوڑے لوگ ایسے بھی ہوئے جنہوں نے ان تعلیمات کو اصلی شکل میں ہمیشہ زندہ رکھا۔ اس وقت دنیا میں آباد قوموں میں سے مسلمانوں کے علاوہ صرف یہودی اور عیسائی دو ہی ایسے گروہ ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید یہ شہادت دیتا ہے کہ ان کی طرف انبیاء و رسل اور آسمانی صحائف بھیجے گئے۔ ظاہر ہے آسمان سے آنے والے تمام الہی صحائف اور خدا کی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک ہی تصور ہونا چاہیے اور تھا بھی ایسے ہی۔ مگر

یہود و نصاریٰ نے اپنے صحائف میں از خود تہذیبیاں کر لیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا تصور اللہ وہ نہ رہا جو آخری محفوظ الہامی کتاب یعنی قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔

نزول قرآن سے بہت پہلے ان یہود و نصاریٰ کا تصور اللہ چونکہ بدل چکا تھا اس لیے قرآن مجید نے ان کے اس محرفانہ تصور اللہ پر تنقید کی۔ اس کے علاوہ قرآن کے مخاطب چونکہ مشرکین مکہ بھی تھے اور ان کا تصور اللہ بھی وہ تھا جو فی الواقع اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے اس لیے ان کے تصور اللہ پر بھی قرآن مجید میں تنقید کی گئی۔ علاوہ ازیں یہ آخری آسمانی کتاب چونکہ اب رہتی دنیا تک اللہ تعالیٰ کے تعارف، اس کی بتائی ہوئی تعلیمات اور اخروی نجات کا واحد معیار تھی اس لیے اس میں نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا تصور و تعارف پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا بلکہ غلط تصورات کی بھی اچھی طرح نفی فرمادی۔ اس لیے اب مذاہب عالم کے تصور اللہ کو قرآن کے بیان کردہ تصور اللہ کے ساتھ ہی پرکھا اور حق و باطل میں فرق کیا جاسکتا ہے۔ آئندہ سطور میں ہم یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب عالم کا تصور خدا (اللہ) بالا اختصار اور اگلی فصل میں اسلام کے تصور اللہ کو بالتفصیل پیش کریں گے۔

یہود و نصاریٰ کا تصور اللہ (خدا)

یہود اور نصاریٰ (عیسائی) یہ دو گروہ ایسے ہیں جن کی طرف بے شمار انبیاء اور تورات و انجیل کی شکل میں آسمانی کتابیں بھیجی گئیں۔ مشرکین مکہ کے مقابلہ میں ان کے پاس چونکہ آسمانی کتاب تھی (خواہ اس کی کیسی ہی حیثیت تھی) اس لیے قرآن مجید نے ان دونوں گروہوں کو اہل کتاب کے نام سے بھی پکارا ہے۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ اللہ کو خالق و معبود مانتے تھے مگر ان کا تصور اللہ وہ نہ رہا جو ان کے انبیاء نے انہیں بتایا تھا۔ ان کے انبیاء نے انہیں جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اس کائنات کو خالق و مالک ایک اللہ تعالیٰ ہے اور وہی اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کیا جائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ ﴿فَلَمَّا آتَاهَا نُودَىٰ يَمْشُوا أَنَّىٰ أَنَارُبُكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ طَوًى وَآنَا اخْتَرْتَكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ [طہ۔ ۱۱ تا ۱۴]

”جب وہ (موسیٰ ﷺ) وہاں آئے تو انہیں پکارا گیا: اے موسیٰ! بے شک میں تیرا رب ہوں، پس تم اپنے جوتے اتار دو، یقیناً تم طوی کی مقدس وادی میں ہو۔ اور میں نے تمہیں (اپنے پیغام) کے لیے چن لیا ہے لہذا غور سے سنو جو تمہاری طرف وحی کیا جا رہا ہے۔ بے شک میں ہی اللہ ہوں اور میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے، لہذا تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

اس طرح حضرت عیسیٰ ﷺ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اپنی امت سے کہا تھا:

﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ [المائدة- ۱۱۷]

”تم ایک اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“

یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کے بتائے ہوئے تصور الہ میں کیا باگاڑ پیدا کرائے؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ہمیں کچھ اس طرح بتایا گیا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ بْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِتُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَإِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [التوبة- ۳۰، ۳۱]

”یہود کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ قول صرف ان کے منہ کی بات ہے۔ اگلے منکروں کی بات کی یہ بھی نقل کرنے لگے، اللہ انہیں غارت کرے وہ کیسے پلٹائے جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو۔ حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

یہود و نصاریٰ نے اللہ کی شان یکتائی کے حصے کر دیے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو اللہ کا بیٹا اور یہودیوں نے عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کو تو قرآن مجید نے ایک نبی کی حیثیت سے

متعارف کرایا ہے مگر یہ عزیر کون تھے اور انہیں کس بنیاد پر یہودیوں نے اللہ کا بیٹا بنایا اس کی کوئی تفصیل اور قطعی جواب ہمیں قرآن و حدیث میں نہیں ملتا۔ تاریخی و اسرائیلی روایتوں کی بنیاد پر بعض لوگوں نے انہیں ایک نبی اور بعض نے ایک کاہن قرار دیا ہے اور یہودیوں کے ہاں ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے یہود کی شریعت کی تجدید اور تورات کی تدوین کی تھی مثلاً مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ

”حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دور ابتلاء بنی اسرائیل آیا، اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہو گئی تھی بلکہ بائبل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے نا آشنا کر دیا تھا۔ آخر کار انہی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے ارشاد کا مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہودیوں کے اعتقادات میں جو خرابی رونما ہوئی وہ اس حد تک ترقی کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے“ [تفہیم

القرآن۔ جلد ۲ صفحہ ۱۸۹]

حالانکہ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ اولاد اور نہ والدین جبکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپ کو نہ اللہ کا بیٹا کہا، نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور نہ ہی وہ اللہ کے بیٹے تھے بلکہ وہ تو اللہ کے پیدا کردہ ایک بندے اور اس کے رسول تھے اور انہوں نے اللہ کی وحدانیت ہی کا تصور پیش کیا مگر ان کے بعد لوگوں نے ان کی تعلیمات کو بدل ڈالا مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد پال نامی ایک شخص نے جو حضرت عیسیٰ کی زندگی میں تو ان پر ایمان نہ لایا البتہ آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی بن گیا تھا، دین عیسوی کو مقبول عام بنانے کی نیت سے اس میں کچھ ایسی جوہری تبدیلیاں کر دیں جس سے دین عیسوی تو بلاشبہ مقبول عام بن گیا بلکہ وہ یہودیت کو بھی بہت پیچھے چھوڑ گیا مگر ان تبدیلیوں سے دین عیسوی کی شکل وہ نہ رہی جو

حضرت عیسیٰ ﷺ نے پیش کی تھی بلکہ اب اس کی شکل وہ بن گئی جو پال (پولس) نے پیش کی تھی اور روم کے بت پرست بادشاہ (قسطنطین) نے جب دین عیسوی قبول کیا تو اس میں بت پرستی کو بھی شامل کر لیا تاکہ رومیوں اور دیگر بت پرستوں کی حمایت بھی اسے حاصل رہے۔ اس طرح سے دین عیسوی بدلتا چلا گیا اور حضرت عیسیٰ ﷺ پر نازل کی جانے والی کتاب انجیل میں بھی غلط عقائد کی پیوند کاری کر دی گئی۔

پال (پولس) ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت عیسیٰ ﷺ کے لیے اللہ کا بیٹا ہونے اور ان میں خدائی صفات کا ظہور ہونے کا فلسفہ پیش کیا۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کی پیدائش سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک کی زندگی کا بڑا حصہ چونکہ معجزات پر مشتمل رہا تھا اس لیے عیسائیوں میں پال کے بنائے ہوئے اہیت اور الوہیت وغیرہ کے عقائد بہت جلد مقبول عام ہو گئے اگرچہ دین عیسوی کے اصل پیروکار ان نظریات کے خلاف آواز اٹھاتے رہے مگر ان کی کوششیں بار آور ثابت نہ ہو سکیں اور جب رومی بادشاہوں نے عیسائیت قبول کی تو ان شرکیہ عقائد (اہیت، الوہیت، تثلیث، حلول وغیرہ) کو سرکاری سطح پر نافذ کر دیا اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو کافر قرار دے کر تختہ دار پر کھینچنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شرکیہ عقائد ہی سبھی دنیا کے اصل عقائد و نظریات کی حیثیت اختیار کر گئے۔

یہود و نصاریٰ کے بگڑے ہوئے تصور اللہ پر تنقید کے سلسلہ میں قرآن مجید نے ایک تو یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی کہ حضرت عیسیٰ ﷺ اور عزیر کے بارے میں اہیت، الوہیت وغیرہ جیسے نظریات سراسر کفر و شرک پر مبنی ہیں اور دوسرا یہ پہلو اجاگر کیا کہ خود حضرت عیسیٰ ﷺ نے اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہوئے اسی ایک معبود برحق کی عبادت کی تعلیم دی تھی۔ درج ذیل آیات میں ان حقائق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [المائدة - ١٧]

”یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمِمَّنْ إِلَهٌ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ [المائدة - ۷۲، ۷۳]

”بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا، اللہ تین میں کا تیسرا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾

”مسیح ابن مریم علاوہ پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ کس طرح وہ پھرے جاتے ہیں۔“ [المائدة - ۷۵]

﴿يَاهُلَّ الْكِتَابِ لَاتَعْلَمُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةَ إِنْتَهُوا خَيْرَ الْكُفْمِ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ

سُبْحٰنَهُ اَنْ يُّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا لِي السَّمٰوٰتِ وَمَا لِي الْاَرْضِ وَكَفَى بِاللّٰهِ
وَكِيلًا ﴿﴾ [النساء - ۱۷۱]

”اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر سوائے حق کے اور کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) تو صرف اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا حکم ہیں، جسے مریم (علیہا السلام) کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہیں اس لیے تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آ جاؤ (اسی میں) تمہارے لیے بہتری ہے۔ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔“

موجودہ بائبل اور تصور توحید

موجودہ بائبل جسے یہود و نصاریٰ کے ہاں ’کتاب مقدس‘ کہا جاتا ہے، یہ تورات، انجیل، زبور اور بعض دیگر انبیاء کے صحائف پر مشتمل ہے اور اس کے دو حصے ہیں پہلے کو عہد نامہ قدیم اور دوسرے کو عہد نامہ جدید کہا جاتا ہے۔ بائبل میں شامل آسمانی کتابوں اور صحائف میں اگرچہ کئی مرتبہ تحریف ہوئی اور وہ اپنی اصل الہامی شکل میں موجود نہ رہے مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ ابھی بھی ان میں بعض الہامی تعلیمات اپنی صحیح شکل میں پائی جاتی ہیں مثلاً توحید و شرک کے حوالے سے بائبل میں شامل صحائف میں ایک اللہ کی عبادت و پرستش اور غیر اللہ کی عبادت سے اعراض کے احکام واضح طور پر ملتے ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

[۱] ”اور خدا نے یہ سب باتیں فرمائیں کہ خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا، میں ہوں۔ میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی صورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے، تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیر خدا ہوں۔“ [بائبل: کتاب خروج: باب ۲۰۔

آیات ۱ تا ۶۔ پاکستانی بائبل سوسائٹی لاہور]

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

[۲] ”اور خداوند نے موسیٰ سے کہا تو بنی اسرائیل سے یہ کہنا کہ تم نے خود دیکھا کہ میں نے آسمان پر سے تمہارے ساتھ باتیں کیں۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا یعنی چاندی یا سونے کے دیوتا اپنے لیے نہ گھڑ لیتا۔“ [خروج: باب ۲۰۔ آیات

[۲۳:۲۲

[۳] ”کھودی ہوئی صورتوں کے بنانے والے سب کے سب باطل ہیں اور ان کی پسندیدہ چیزیں بے نفع۔ ان ہی کے گواہ دیکھتے سمجھتے نہیں اور سمجھتے نہیں تاکہ پشیمان ہوں۔ کسی نے کوئی بت بنایا یا کوئی صورت ڈھالی جس سے کچھ فائدہ ہو؟۔ دیکھ اس کے سب ساتھی شرمندہ ہوں گے کیونکہ بنانے والے تو انسان ہیں بڑھی سوت پھیلاتا ہے اور ٹکلیے ہتھیار سے اس کی صورت کھینچتا ہے وہ اس کو زندے سے صاف کرتا ہے اور پرکار سے اس پر نقش بناتا ہے۔ وہ اسے انسان کی شکل بلکہ آدمی کی خوبصورت شبیہ بناتا ہے تاکہ اسے گھر میں نصب کرے۔ وہ دیواروں کو اپنے لیے کاٹتا ہے اور قسم قسم کے بلوط کو لیتا ہے اور جنگل کے درختوں سے جس کو پسند کرتا ہے۔ وہ صنوبر کا درخت لگاتا ہے اور مینہ اسے پہنچاتا ہے۔ جب وہ آدمی کے لیے ایندھن ہوتا ہے۔ وہ اس میں سے کچھ سلگا کرتا ہے۔ وہ اس کو جلا کر روٹی پکاتا ہے بلکہ اس سے بت بنا کر اس کو سجدہ کرتا ہے۔ وہ کھودی ہوئی صورت بناتا ہے اور اس کے آگے منہ کے بل کرتا ہے اور اس سے التجا کر کے کہتا ہے مجھے نجات دے کیونکہ تو میرا خدا ہے۔ وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی آنکھیں بند ہیں۔ پس وہ دیکھتے نہیں اور ان کے دل سخت ہیں پس وہ سمجھتے نہیں بلکہ کوئی اپنے دل میں نہیں سوچتا اور نہ کسی کو معرفت اور تیز ہے کہ اتنا کہے میں نے تو اس کا ایک ٹکڑا آگ میں جلا یا اور میں نے اس کے انگاروں پر روٹی بھی پکائی اور میں نے گوشت جو مانا اور کھایا۔ اب کیا میں اس کے بقیہ سے ایک کروہ چیز بناؤں؟“ [یسعیاہ: باب ۴۴ آیات ۱۰ تا ۲۰۔ مزید اقتباسات کے لیے دیکھیے: کتاب استثناء: باب ۴۔ آیت ۳۰، ۳۹۔ باب ۵: آیات ۶ تا ۹۔ باب ۶: آیت ۴۔ کتاب خروج: باب ۲۰۔ آیات ۲ تا ۱۵۔ یسعیاہ: باب ۴۵ آیات ۶، ۷۔ باب ۴۶: آیت ۹۔ انجیل متی۔ باب ۴: آیت ۱۰۔ باب ۶: آیت ۱۳۔]

موجودہ بائبل اور تصور خدا

موجودہ بائبل میں ایک اللہ کی عبادت اور بت پرستی کی مذمت کا ذکر تو جا بجا ملتا ہے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ مگر خود اللہ تعالیٰ کے بارے میں بعض ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان و شوکت اور عظمت کے منافی ہیں مثلاً بائبل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد غم اور حسرت کا اظہار کیا۔ [پیدائش: باب ۶ آیات ۸ تا ۱۰] اسی طرح ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ کشتی لڑتے دکھایا گیا ہے۔ [ایضا۔ باب ۳۲۔ آیات ۲۴ تا ۲۸]

اسی طرح چھ دنوں میں کائنات بنانے کے بعد ساتویں دن اللہ تعالیٰ کو آرام کرنے کا محتاج ظاہر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات و عادات کا تذکرہ بھی جا بجا ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ [اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہیں ان کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ!]

ہندومت اور تصور اللہ

برصغیر میں آباد لوگوں کی بڑی تعداد جس مذہب کی پیروکار ہے اسے ”ہندومت“ کہا جاتا ہے۔ یہ اگہائی قدیم مذہب ہے مگر اس مذہب کی نسبت نہ کسی نبی اور رسول کی طرف ہے اور نہ ہی ان کی کوئی الہامی کتاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کے ماننے والوں کے بنیادی عقائد سے لے کر جزوی اعمال تک ہر جگہ تضاد و اختلاف پایا جاتا ہے اور خود ہندو محققین و مؤرخین کو اس کا اعتراف بھی ہے۔

ہندومت میں تصور اللہ ’تریورتی‘ سے شروع ہوتا ہے اور ہندوؤں کے بقول ’تریورتی‘ کا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یعنی کائنات کا خالق و مالک (بھگوان) تین شکلوں میں ظاہر ہوا۔ ایک ’برہما‘، دوسری ’وشنو‘ (اسے ’شن‘ یا ’وشن‘ بھی کہا جاتا ہے) اور تیسری ’مہادیو‘ (اسے ’شیو‘ بھی کہا جاتا ہے)۔ ہندوؤں کے بقول برہما کا کام مخلوقات پیدا کرنا، وشنو کا کام مخلوق کو پالنا اور مہادیو کا کام تباہی و بربادی لانا ہے۔ ہندوؤں نے ان تینوں کی پہلے الگ الگ فرضی شکلیں (مورتیاں) بنائیں اور بعد میں ان تینوں کو متحد

کر کے ایک ایسے دیوتا کی شکل دے دی جس کے جسم پر بیک وقت تین سر ہیں۔ اسے ہی ان کے ہاں 'تریمورتی' کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ان تینوں دیوتاؤں کو انسانی شکل میں پیش کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں عجیب و غریب کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین دیوتا کے علاوہ اور بھی بے شمار دیوتا پیدا ہوئے۔ کوئی کسی کی میل پھیل سے، کوئی کسی کے غصے سے، کوئی راکھ اور خاک سے اور کوئی ان دیوتاؤں کے زنا کے نتیجے سے۔ حتیٰ کہ بتوں، دیویوں اور دیوتاؤں کا یہ سلسلہ کروڑوں کی تعداد تک بڑھتا چلا گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ جاندار ایشیا سے لے کر بے جان چیزوں تک، پودوں اور درختوں سے لے کر دیواؤں اور سمندروں تک، اجرام فلکی سے لے کر ناقابل ذکر اعضائے انسانی تک شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس کی ہندو پرستش نہ کرتے ہوں۔

'ہندومت' چونکہ ایک مذہب کی بجائے فلسفہ کی حیثیت زیادہ رکھتا ہے، اس لیے اس میں عجیب فلسفیانہ بحثیں ملتی ہیں۔ ہندوؤں کا ایک فلسفہ ہے جسے 'وحدت الوجود' کہا جاتا ہے، اس فلسفہ کی رو سے کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز خدا کی ذات کا حصہ اور جزو لاینفک ہے۔ (معاذ اللہ!) اسی طرح ہندومت میں ایک فلسفہ اوتار بھی ہے۔ اس کی رو سے اللہ تعالیٰ حسب ضرورت کسی بھی انسانی شکل میں نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ!)

اسی طرح ہندومت میں ایک فلسفہ تناخ بھی ہے۔ جسے 'آواگون' یا 'جونی چکر' بھی کہا جاتا ہے۔ اس فلسفہ تناخ کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ انسان کی روح اس وقت تک اس دنیا میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہوا نہ ہو جائے اور جب وہ ہر طرح کے گناہ سے پاک ہو کر مرے تو اس کی روح خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ جا ملتی ہے اور اسے دنیا میں بار بار مختلف شکلوں میں پیدا ہونے کے چکر سے نجات مل جاتی ہے اور ہندومت میں یہی ایک انسان کا اچھا انجام کار ہے۔ ہندومت کے ان نظریات پر تنقید اگلی فصلوں میں آئے گی۔

دنیا میں موجود دیگر ادیان و مذاہب

دنیا میں ایسے مذاہب بہت کم ہوئے ہیں جن میں ایک بڑے معبود (اللہ) یا دوسرے لفظوں میں ایک خدا کے وجود کا انکار پایا جاتا ہو۔ عصر حاضر میں روس کے کمیونسٹوں کو منکرین خدا کی مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ماضی کی تاریخ میں بھی منکرین خدا کا کہیں کہیں وجود ملتا ہے مگر مجموعی طور پر انسانیت ہمیشہ خدا کے تصور کی قائل رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک خدا کو ماننے کے باوجود اس کے خدائی حقوق میں دوسروں کو شریک کرنا یا اس کی صفات کا غیر اللہ پر انطباق کرنا یا اس کی شان کے منافی تصورات قائم کرنا بھی انسانی تاریخ میں معمول رہا ہے۔ مثلاً بدھ مت کے بانی 'گوتم بدھ' کے بارے میں یہ بات تو قطعی طور پر ثابت نہیں کہ وہ خدا کا منکر تھا تاہم خدا کا قائل ہونے کے باوجود وہ فلسفہ وحدت الوجود کا قائل تھا جس کی رو سے کائنات کی ہر چیز خدا کی ذات کا حصہ ہے جب کہ گوتم بدھ کے بعد اس کے پیروکاروں نے اس کے مجسمے بنا کر اسے بھی خدا کی خدائی میں شریک بنا لیا۔ بلکہ بعض نے تو اسے خدا کا اوتار قرار دے دیا۔ پھر آگے چل کر کئی اور لوگوں (مثلاً دلائی لاما وغیرہ) کو خود گوتم بدھ کا اوتار قرار دے کر ان کے بھی مجسمے (بت) بنائے گئے اور ان کی بھی پوجا و پرستش شروع کر دی گئی۔

جس طرح بدھ مذہب ایک بت پرست مذہب کی شکل اختیار کر گیا، اسی طرح ایک خدا کو ماننے والے بے شمار مذاہب شرک اور بت پرستی کا مظہر بن گئے۔ مثلاً چین کے دو بڑے مذہب 'تاؤ ازم' اور 'کنفیوشس ازم' ہندوؤں کی طرح بے شمار دیویوں اور دیوتاؤں کی پرستش کے قائل ہیں حتیٰ کہ ان مذاہب کے پیروکار اپنے آباؤ اجداد کے بت بنا کر ان کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح جاپان کے قومی مذہب 'شنتو ازم' میں آگ، سورج، پانی، پہاڑ، ندی نالے، دریا اور سمندر وغیرہ ہر چیز کے دیوی دیوتا بنا کر ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

مشرکین عرب کا تصور خدا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ جلیل القدر پیغمبر ہیں جنہوں نے ساری زندگی

توحید کی دعوت میں صرف کی۔ آپ نے اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی از سر نو تجدید تعمیر فرمائی اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں آباد کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی نبی ہوئے اور ان کی کوششوں سے عرب کا خطہ توحید سے منور ہو گیا مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے باشندگان عرب کی توحید میں خلل واقع ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت تک باشندگان عرب ایک اللہ ہی کو کائنات کا خالق و مالک اور رازق و داتا تسلیم کرتے تھے مگر انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے تصورات بھی قائم کر لیے تھے جو توحید باری تعالیٰ کے منافی تھے۔ درج ذیل سطور میں ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے۔

بت پرستی

ایک تو انہوں نے یہ کام کیا کہ اپنے نیک صالح اولیا اور بزرگوں کے بت بنا لیے اور ان کے لیے بھی وہ تمام مراسم عبادت، بجالانے لگے جن کا حق اللہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ مثلاً ان بتوں کے لیے حج و طواف کیا جاتا، ان کے لیے نذریں مانی جاتیں اور نیازیں دی جاتیں، ان کے نام پر جانور قربان کیے جاتے، ان کے لیے اپنے مال اور پیداوار سے حصہ نکالا جاتا۔ بت پرستی کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر میں مشرکین مکہ نے تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے حتیٰ کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ان سارے بتوں کو جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔ ان بتوں کی پرستش اور انہیں مافوق الاسباب قوتوں کا مالک سمجھ کر پکارنے کی تردید قرآن نے اس طرح سے کی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمَّا لَكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيُسْتَجِيبُوا

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [الاعراف - ۱۹۴]

”واقعی تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکارو تو پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا پورا کر دیں اگر تم سچے ہو!“

ملائکہ پرستی

اسی طرح مشرکین عرب فرشتوں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں لہذا ان کی پرستش سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا۔ ملائکہ پرستی کے حوالے سے مشرکین کا نقطہ نظر قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنثًا أَهْلَهُمْ وَخَلَقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَأَلِكُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمِ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ [الزخرف - ۱۹، ۲۰]

”انہوں نے ملائکہ (فرشتوں) کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں قرار دے لیا ہے۔ کیا ان کی پیدائش کے موقع پر یہ موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے (اس چیز کی) باز پرس کی جائے گی۔ اور (یہ مشرکین) کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انہیں اس کی کچھ خبر نہیں، یہ تو صرف انکل بچو (جھوٹ باتیں) کہتے ہیں۔“

جنات پرستی

مشرکین عرب سمجھتے تھے کہ شاید ملائکہ اور جنات ایک جیسی مخلوق ہے چنانچہ وہ جنات کو بھی اللہ تعالیٰ کا رشتہ دار کہا کرتے اور اسی مناسبت سے جنات کی بھی عبادت کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسَبًا﴾ [الصفّ - ۵۸]

”یعنی انہوں نے اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری قرار دے دی۔“

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنِّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الانعام - ۱۰۰]

”اور انہوں نے اللہ کے ساتھ جن شریک ٹھہرا لیے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور انہوں نے علم کے بغیر خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لی ہیں۔“

نیز وہ مصیبت اور خوف کے وقت انہی جنوں سے پناہ مانگتے تھے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كَانَ رِجَالًا مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [الحجن - ۶]

”انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو خالق کائنات اور رازق مخلوقات تسلیم کرتے تھے تو پھر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق عبادت میں جنات، فرشتوں اور اپنے اولیا اور اُن کے بنائے ہوئے بتوں کو کیوں شریک ٹھہراتے تھے؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب کچھ اس طرح دیا ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَإِن يُدْعُوا بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ يَتَّبِعُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [يونس - ۱۸]

”اور یہ لوگ اللہ (واحد کو) چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔“

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾

[الزمر - ۲۰]

”جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں۔“

گویا وہ انہیں اللہ کے ہاں اپنا سفارشی سمجھتے ہوئے ان کی عبادت کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا ان دونوں آیات میں ان کی اس دلیل کا صاف طور پر رد فرما کر اسے لغو قرار دے دیا۔ لہذا اب بھی اگر کوئی شخص اسی دلیل کے ساتھ انبیاء کرام اور بزرگان دین کو پکارنے یا ان کا واسطہ وسیلہ دینے کو جائز سمجھتا ہے تو اسے مذکورہ آیات کی روشنی میں خود ہی اپنے رویے پر غور کر لینا چاہیے!



تیسری فصل

اسلام کا تصور الہ (تعارف باری تعالیٰ)

اسلام نے اللہ اور معبود کا جو تصور پیش کیا ہے اسے جاننے کا واحد ذریعہ وحی الہی ہے جو قرآن وحدیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ وحی ہو سکتا ہے جو خالق ہو مخلوق نہ ہو، قادر مطلق ہو محتاج نہ ہو، غنی ہو فقیر نہ ہو، مالک الملک ہو غلام نہ ہو، مختار کل ہو بے بس نہ ہو، ساری کائنات اس کے قبضہ میں ہو اور کوئی چیز اس کے تصرف سے باہر نہ ہو۔ ہر خوبی اس میں موجود ہو اور اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ یکتا، تنہا اور اکیلا ہو، اس کے خلق، امر، علم، تصرف، قدرت، افعال اور صفات میں نہ کوئی اس کا شریک ہو اور نہ معاون، بلکہ وہ اپنے افعال و صفات میں کسی شریک کی شراکت اور معاون کی معاونت کا محتاج نہ ہو۔ وہ جبار و قہار بھی ہو اور رحمان و رحیم بھی۔ وہ غیور بھی ہو اور حلیم بھی۔ وہ ہر وقت اپنی مخلوق پر نظر رکھنے والا بھی ہو اور قدرت رکھنے والا بھی۔ اپنی مخلوق پر ہر طرح کا انعام کرنے والا بھی ہو اور بوقت ضرورت انہیں عذاب دینے کا اختیار رکھنے والا بھی۔ وہ آپنا واحد میں ساری کائنات کو تباہ و برباد کرنے کی قدرت رکھنے والا بھی ہو اور لفظ سخن (ہو جا) کہہ کر پھر سے وجود بخشنے کی طاقت رکھنے والا بھی ہو۔ یہ تمام خوبیاں اگر کسی میں ہو سکتی ہیں تو وہ ایک اللہ وحدہ لا شریک کی ذات ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اللہ تعالیٰ کے تعارف کے حوالے سے ان چیزوں کو بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا تعارف

جس طرح ہر ذی روح چیز ایک وجود رکھتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی وجود رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات باریکات، ہاتھ، پاؤں، آنکھوں اور چہرے وغیرہ کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کا جسم، چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اس طرح نہیں جس طرح اس کی مخلوق کے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ [الشوریٰ- ۱۱] ”اس کے مثل کوئی نہیں۔“

گویا خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ مخلوق کے جسم و اعضا کی ہیئت و ترکیب اور کارکردگی وغیرہ تو ہم جانتے ہیں مگر خالق کے وجود و اعضا کی کنہ و حقیقت سے ہم واقف نہیں کیونکہ یہ چیزیں وحی کی رہنمائی کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں اور وحی کے ذریعے ہمیں اللہ کے وجود (اور ہاتھ پاؤں وغیرہ) کے بارے میں تو بتایا گیا ہے مگر ان کی کنہ و حقیقت ہمیں نہ بتائی گئی اور نہ ہی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار انسانوں کو کروایا۔ اس لیے ہم اتنی باتوں پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں جتنی قرآن و حدیث میں ہمیں بتادی گئی ہیں اور جس طرح بتائی گئی ہیں اسی طرح سے ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں جبکہ جو کچھ ہم سے مخفی رکھا گیا اور بتایا نہیں گیا اس کے بارے میں ہم رائے زنی نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے:

﴿وَيُحَلِّدُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ الْمَصِينُ﴾ [آل عمران- ۲۸]

”اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔“

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ [الانعام- ۵۶]

”تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنی ذات پر مقرر کر لیا ہے۔“

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصے کے مقابلہ میں اس کی رحمت زیادہ وسیع ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مخلیق کائنات سے فارغ ہوا تو اس نے عرش پر لکھ

دیا: اِنَّ رَحْمَتِيْ تَغْلِبُ غَضَبِيْ [بخاری: کتاب التوحید (ح ۷۴۰۴)]

”بے شک میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے“

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ [سورۃ

زحمن- ۲۶، ۲۷]

”زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت

اور عزت والی ہے (وہی) باقی رہ جائے گی۔“

اللہ تعالیٰ کے چہرہ مبارک کا تذکرہ

﴿وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولَّوْا فَنَمَّ وَجْهَ اللَّهِ﴾ [البقرة - ۱۱۵]
 ”اور مشرق و مغرب کا اللہ تعالیٰ ہی مالک ہے پس تم جہرہ کو منہ کرو اور ہر ہی اللہ کا منہ (چہرہ) ہے۔“

﴿فَمَا تَذَأَقُرْنِي حَقَّهُ وَالْمُسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ﴾ [الروم - ۳۸]
 ”پس قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو ہر ایک کو اس کا حق دیجیے۔ یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کا چہرہ (دیکھنا) چاہتے ہیں۔“

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار قیامت کے روز ہوگا اور وہ بھی صرف اہل ایمان کو جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے مبارک ہاتھوں کا تذکرہ

﴿قُلْ إِنْ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [آل عمران - ۷۳]
 ”(اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجیے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے۔ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔“

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ لَعَلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ [المائدة - ۶۴]

”اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ انہی (یہودیوں) کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان (یہودیوں) کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔“

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [الملك: ۱]
 ”بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن کی سخاوت اس سے کچھ بھی کم نہیں کرتی۔ آپ ﷺ نے (مزید) فرمایا: کیا تمہیں علم ہے کہ جب سے اس نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں تب سے اس نے جتنا خرچ کیا ہے، اس نے بھی اس میں کوئی کمی پیدا نہیں کی جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ [بخاری: کتاب التوحید والرد علی الجہمیۃ وغیرہم (۷۴۱۱)]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن زمین اس (اللہ تعالیٰ) کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہوگا۔ پھر وہ کہے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔ [بخاری: ایضاً (۷۴۱۲)]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے محمد ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر اٹھالے گا اور زمین کو بھی ایک انگلی پر اور تمام پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور تمام درختوں کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اور پھر فرمانے گا کہ میں بادشاہ ہوں؟ (یہ بات اس نے بڑے تعجب سے کہی) اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ مسکرا دیئے حتیٰ کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [الانعام: ۹۱]

”اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی اس کا حق تھا۔“

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ (اس یہودی کی باتوں پر) ازراہ تعجب اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے ایسے تھے۔ [بخاری: ایضاً (ح ۷۱۱۴)]

اللہ تعالیٰ کی بابرکت آنکھوں کا تذکرہ

﴿فَلَا وَحِينًا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعُ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِينًا﴾ [المؤمنون- ۲۷]

”پھر ہم نے اس (نوح ﷺ) کی طرف وحی بھیجی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔“

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِينَا وَلَا تَخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِيَّاهُمْ مَفْرُوقُونَ﴾ [ہود- ۳۷]

”اور ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے تیار کر اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کروہ پانی میں ڈبو دیے جانے والے ہیں۔“

﴿وَأَضْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ﴾ [الطور - ۴۸، ۴۹]

”تو اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لے، بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبح کو جب تو اٹھے اپنے رب کی پاکی اور حمد بیان کر، اور رات کو بھی اس کی تسبیح پڑھ۔“

﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ مَّدْيُنٍ وَمُؤَمَّرٍ مَّجْرِيٍّ بِأَعْيُنِنَا جَزَاءَ لِمَنْ كَانَ كُفِرًا﴾ [القمر - ۱۳، ۱۴]

”اور ہم نے اسے تختوں اور کیلیوں والی (کشتی) پر سوار کر لیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ بدلہ اس کی طرف سے جس کا کفر کیا گیا تھا۔“

اللہ تعالیٰ کے پاؤں مبارک کا تذکرہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”يَلْقَى فِي النَّارِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّى يَضَعَ قَدَمَهُ لِقَوْلِ قَطْ قَطْ“ [بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله وتقول هل من مزيد (۴۸۴۸، ۴۸۴۹) مسلم (۲۸۴۸، ۲۸۴۹)]

”جہنم کو بھر دیا جائے گا اور وہ کہے گی: ’اور کچھ لادو‘ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پاؤں مبارک رکھ دیں گے تو وہ کہے گی: بس! بس!“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”جنت اور دوزخ نے آپس میں بحث کی، دوزخ نے کہا کہ میں منکبوں اور ظالموں کے لیے خاص کی گئی ہوں۔ جنت نے کہا کہ مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر صرف کمزور اور کم رتبہ والے لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے کہا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں رحم کروں گا اور دوزخ

سے کہا کہ تو عذاب ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں عذاب دوں گا۔ جنت اور دوزخ دونوں بھر جائیں گی۔ دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں مبارک اس پر نہ رکھ دیں گے اور پھر وہ کہے گی کہ بس بس، اور اس وقت وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا اور جنت (کو بھرنے) کے لیے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔“ [بخاری: کتاب التفسیر: باب

قوله: وتقول هل من مزيد (۴۸۵۰)]

اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی پنڈلی مبارک کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ خَاشِعَةً
أَبْصَارُهُمْ تَرَاهُمْ ذَلَّةً وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ﴾

[القلم - ۴۲، ۴۳]

”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو (سجدہ) نہ کر سکیں گے۔ نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت و خواری چھا رہی ہوگی حالانکہ یہ سجدے کے لیے (اس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب کہ یہ صحیح سالم تھے۔“

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

آپ فرما رہے تھے کہ

”ہمارا پروردگار قیامت کے دن اپنی پنڈلی کھول دے گا، اس وقت تمام مومن مرد اور مومنہ عورتیں اس کے لیے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں شہرت اور ناموری کے لیے سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہو جائے گی“ (اور سجدہ کے لیے جھکنا ان کے لیے ناممکن ہو کر رہ جائے گا)

[بخاری: کتاب التفسیر: باب: يوم يكشف عن ساق (۴۹۱۹) مسلم (۱۸۳)]

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب

سے پہلے) اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اللہ سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور اللہ کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھ دیا۔ [بخاری: کتاب

التوحید: باب: وکان عرشہ علی الماء..... (۷۴۱۸) مسلم: کتاب القدر]

یہی بات سورہ ہود میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى

الْمَاءِ﴾ [ہود-۷]

”اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (پہلے) اس کا عرش پانی پر تھا۔“

اب اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہیں اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت میں ہے۔ قرآن و حدیث سے اس کے چند دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

﴿أَأَمِنْتُمْ مَنِ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنِ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ﴾

[الملک-۱۶، ۱۷]

”کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور اچانک زمین لرزنے لگے۔ یا کیا تم اس بات سے غرر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تو تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیا تھا۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر ہیں۔ اس کی مزید تائید بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک موقع پر) فرمایا:

”الْأَتَمَنُونِي وَالْأَمِينِ مَنْ فِي السَّمَاءِ يَأْتِنِي خَبْرَ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً“

[بخاری: کتاب المغازی: باب بعث علی بن ابی طالب..... (۴۳۵۱) مسلم (۱۰۶۴)]

”تم مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس آسمان والے کی وحی صبح و شام میرے پاس آتی ہے۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

﴿إِنِّي بَضَعْتُ الْكَلِمَةَ الْعَلِيْبَ وَالْعَمَلَ الصَّالِحَ يَرْفَعُهُ﴾ [فاطر۔ ۱۰]

”تمام تر پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف پاکیزہ کلمات کے اوپر چڑھنے کا معنی یہ ہے کہ فرشتے لوگوں کے نیک اعمال کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رات کے فرشتوں اور دن کے فرشتوں کی تمہارے پاس آمد و رفت مسلسل جاری رہتی ہے اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (رات اور دن کے فرشتوں کا) اکٹھ ہوتا ہے۔ پھر تمہارے پاس رات بھر رہنے والے فرشتے جب اوپر (آسمان پر) چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتے ہیں، کہ میرے بندوں کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے، تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔“ [بخاری: کتاب مواقیب الصلاة۔ باب: فضل صلاة العصر

(۵۵۵) مسلم (۶۳۶)]

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری ایک بائعی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ مقام کی طرف میری بکریاں چرانے لے جایا کرتی تھی۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ ان بکریوں میں سے ایک بکری کو بھیڑ یا اٹھا کر لے گیا ہے۔ میں بھی اولاد آدم سے ہوں اور مجھے بھی اسی طرح انوس لائق ہوتا ہے جس طرح دوسروں کو ہوتا ہے لیکن میں نے اتنا ہی کیا کہ اس بائعی کو ایک زوردار تھپڑ مار دیا پھر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا (اور یہ بات آپ کو بیان کی) تو آپ پر میرا یہ عمل بڑا گراں گزرا چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں اس بائعی کو (اس تھپڑ کے بدلے) آزاد نہ کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ میں اس بائعی کو لے کر دوبارہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بائعی سے پوچھا کہ ”اِنَّ اللّٰهَ؟“ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا، آسمان پر۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا

کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا، کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو یہ تو مومنہ ہے۔“ [مسلم: کتاب المساجد: باب تحريم الکلام فی

الصلاة..... (۵۳۷) بیو داؤد (۹۳۰)]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”الراحمون یوحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یوحمکم من فی

السماء“ [صحیح سنن الترمذی للالبانی (۱۰۶۹)]

”رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔“ اس حدیث کا ترجمہ حالی نے اس طرح کیا ہے:

کردمہرانی تم اہل زمین پر خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اللہ تعالیٰ کے قرب و معیت کا مسئلہ

گزشتہ سطور میں قرآن وحدیث کے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں ان سے پوری صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر ہیں، اس کائنات میں ہر جگہ اور ہر چیز میں طول کیے ہوئے نہیں ہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود اور طول کا عقیدہ رکھنے والوں کا خیال ہے۔ البتہ قرآن مجید کی بعض آیات میں بیان ہوا ہے کہ

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہیں“ [دیکھئے: سورۃ محمد۔ آیت ۳۵] یا ایک مقام پر اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں“ [سورۃ ق۔ ۱۶]

ان سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اور آسمانوں کے اوپر ہیں تو ہر انسان کے ساتھ ہونے اور اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا کیا مطلب؟

جہو رائے سلف ان آیات کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر انسان کے ساتھ ہونے اور شہ رگ سے بھی قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ہے۔ ماضی قریب میں بعض عرب علمائے سلف کے اس نقطہ نظر کو بھی تاویل قرار دے دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح عرش پر ہیں اسی طرح ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ البتہ عرش پر ہونے کی کیفیت جس طرح بیان نہیں کی جاسکتی اسی طرح ہر

انسان کے ساتھ ہونے کی کیفیت بھی بیان نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے اگرچہ حلول و اتحاد کے نظریہ کا شبہ ہوتا ہے مگر جن عرب علما نے یہ موقف اختیار کیا وہ حلول و اتحاد جیسے نظریات کو گمراہانہ قرار دیتے ہیں۔

ان کے برعکس عرب علما کی بڑی تعداد جن میں شیخ ابن باز سر فہرست ہیں، کا نقطہ نظر وہی ہے جو جمہور ائمہ سلف کا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات تو عرش پر مستوی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت اور سمع و بصر کے لحاظ سے ہر انسان کے ساتھ ہیں۔ اس مسئلہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر کافی متوازن ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں درج کر رہے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں اور اپنے رسول کی زبان سے اپنی ذات کے بارے میں یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ بلند و بالا اور عرش پر مستوی ہے..... اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں قرب و معیت کا وصف بھی بیان کیا ہے یہ معیت دو طرح کی ہے ایک معیت عامہ اور دوسری معیت خاصہ.....

[معیت عامہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے ساری مخلوق کے ساتھ ہے اور ان کے تمام حرکات و سکنات اور افعال و اعمال سے مطلع ہے جب کہ معیت خاصہ کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی نصرت و تائید کے لحاظ سے اپنے انبیاء و اولیاء اور نیک بندوں کا خصوصی دھیان رکھتا ہے اور بوقت ضرورت آسمانوں کے اوپر ہی سے ان کی

مدد فرماتا ہے..... (مجموع الفتاویٰ: ج: ۵، ص: ۱۴۳، ص: ۲۹۵ تا ۲۹۹)]

معیّت باری تعالیٰ کے بارے میں لوگوں کی چار اقسام ہیں۔ ایک قسم تو جمعیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو نہ کائنات کے اندر مانتے ہیں نہ اس سے خارج، نہ اوپر مانتے ہیں اور نہ نیچے.....

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود ہے۔ ان میں فرقہ نجاریہ اور فرقہ جمعیہ کے صوفیاء و زہاد اور عام لوگ شامل ہیں۔ ان سب کے بقول کائنات میں دکھائی دینے والی ہر چیز ذات باری تعالیٰ ہے جس طرح کہ وحدت الوجود اور حلول و اتحاد کے قائلین کا نظریہ ہے۔ یہ لوگ ’قرب و معیت‘ سے متعلقہ

نصوص (آیات) کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے 'علو و استواء' سے متعلقہ نصوص میں تاویلیں کرتے ہیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بھی ہے اور ہر جگہ پر بھی موجود ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہم نصوص کا اقرار کرتے ہوئے ایسا کہتے ہیں اور ان نصوص کے ظاہری معنی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس قسم میں بہت سے گروہ شامل ہیں..... اس نقطہ نظر کے حامل اگرچہ پہلے دونوں گروہوں کے مقابلہ میں نصوص کے زیادہ قریب ہیں مگر اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ یہ نقطہ نظر بھی غلط ہے اور کتاب و سنت کے منافی اور علمائے سلف کے اجماع کے خلاف ہے۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن میں اس امت کے سلف صالحین اور بڑے بڑے ائمہ کرام شامل ہیں۔ یہ لوگ قرآن و سنت میں مذکور چیزوں کو بغیر کسی تحریف کے تسلیم کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے جدا اور مخلوق اس سے الگ ہے۔ اس کے ساتھ وہ اپنے علم کے اعتبار سے بالعموم تمام بندوں کے ساتھ ہے اور اپنی نصرت و تائید کے اعتبار سے بالخصوص اپنے انبیاء و رسل اور اولیاء کے ساتھ ہے۔ [دیکھئے: مجموع الفتاویٰ

(ج: ۵ ص: ۱۴۰ تا ۱۴۳)]



چوتھی فصل

کیا اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں ممکن ہے؟

انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں ایک رائے تو یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ رائے مشہور مگر افرقہ معتزلہ کی ہے جب کہ دوسری طرف طبقہ صوفیاء کی رائے ان کے برعکس یہ ہے کہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی دیدار الہی ممکن ہے اور اس کے لیے سخت محنت اور ریاضت و عبادت کی ضرورت ہے۔ یہ غالبی صوفیاء کی رائے ہے۔ اس سلسلہ میں اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو ان دونوں گروہوں کا نقطہ نظر صریح طور پر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی رو سے آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا مگر دنیا میں کسی انسانی آنکھ کے لیے دیدار الہی ممکن نہیں کیونکہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الانعام - ۱۰۳]

”اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔“

اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی غیر مبہم انداز میں یہ فرما دیا کہ

((تَلْعَسُوا أَنَّهُ لَنْ يُرَىٰ أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ حَتَّىٰ يَمُوتَ)) [مسلم:

کتاب الفتن باب ذکر ابن صیاد (۹۵-۷۳۵۶)]

”یہ بات یاد رکھنا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہیں دیکھ پائے گا۔“

اب اس کے باوجود کوئی شخص یہ کہے کہ دنیوی زندگی میں انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے تو اس کی یہ بات گزشتہ قرآنی آیت اور صحیح حدیث نبوی کے صریح منافی ہے۔ یہاں یہ غلط

نہی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ شاید عام انسانوں کے لیے دیدار الہی ناممکن اور انبیاء و رسل اور اولیاء کے لیے ممکن ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر کے اس غلط فہمی کا بھی ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا اور یہ واضح کر دیا کہ انبیاء کے لیے بھی دنیوی زندگی میں انسانی آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر لینا ممکن نہیں۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرَ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ نَرَاكَ لِيَوْمِ هَذَا وَلَسِيْنَا بِمُنظَرِينَ أَلَمْ نَجْعَلِ لِرَبِّهِ لِّلْجَبَلِ جَهَنَّمَ دُكَّاءً وَخَرُّهُ مُوسَىٰ صَبِيحًا فَلَمَّا آتَاكُم مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيكُمْ وَأَنَا أَوْلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الاعراف - ۱۴۳]

”اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے ہاتھیں کیں تو (حضرت موسیٰ نے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اپنا دیدار کرا دیجیے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھ دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے اس (پہاڑ) پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کے پر نچے اڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے میں آپ کی جناب میں توجہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا تے اور بغیر دیدار کروائے براہ راست ان سے گفتگو فرمایا کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا اور اسی شوق کے اظہار کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کروانے کا مطالبہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروانے کے مطالبہ کا صاف انکار کر دینے کی بجائے ایسا انداز اختیار کیا جس سے پیغمبر نے جلد ہی حقیقت کو پالیا کہ میرا یہ سوال مناسب حال نہ تھا اور ہوش و حواس بحال ہونے کے بعد وہ خود ہی اللہ سے معافی کے طلبگار ہوئے۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی نبی اور رسول کے لیے اس دنیاوی زندگی میں دیدار الہی ممکن نہیں تو کسی غیر نبی کے لیے یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے!؟

آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

اس دنیوی زندگی میں تو اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں مگر مرنے کے بعد روزِ آخرت اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے ممکن ہو جائے گا اور یہ دیدار الہی اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی نعمت اور سعادت ہوگی۔ اس سلسلہ میں بے شمار آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں بغرض اختصار چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

﴿وَجُودَةٌ يُؤْمِنُهَا فَاعْرِضْ﴾ [القیامۃ - ۲۲، ۲۳]

”اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔“

غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ اپنے دیدار سے مشرف نہیں فرمائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ﴾

”ہرگز نہیں! یہ لوگ اس دن اپنے رب کے (دیدار) سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔ پھر یہ لوگ بالیقین جہنم میں جموئے جائیں گے۔“ [المطففين - ۱۵، ۱۶]

((عن ابی ہریرۃ قال: قال اناس یارسول اللہ هل نری ربنا یوم القیامۃ؟ فقال هل تضارون فی الشمس لیس دولہا سحاب؟ قالوا: لا یارسول اللہ، قال: هل تضارون فی القمر لیلة البدر لیس دولہ سحاب؟ قالوا: لا یارسول اللہ، قال: فانکم ترونہ کذلک)) [بخاری: کتاب الرقاق:

باب الصراط جسر جہنم (ح ۶۵۷۳)]

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا قیامت کے روز ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا سورج کو دیکھنے میں اس وقت تمہیں کوئی مشکل ہوتی ہے جب اس کے آگے بادل نہ ہوں؟ لوگوں نے کہا: نہیں اللہ کے رسول، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آسمان ابر آلود نہ ہوتو تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی

ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کو بھی اسی طرح (بغیر کسی دشواری کے) قیامت کے روز دیکھو گے۔ [مسلم:

کتاب الایمان: باب معرفة طریق الرؤیة (۱۸۲)]

بعض روایات میں ہے کہ ”صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم میں سے ہر (مسلمان) شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب دو پہر کو سورج نکلا ہو اور بادل نہ ہوں تو کیا ہر شخص اسے نہیں دیکھتا؟ لوگوں نے کہا دیکھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور اپنے رب کا دیدار کرو گے اور اس میں کوئی مشقت تمہیں نہ ہوگی جس طرح کہ سورج دیکھنے میں تمہیں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔“ [محدث ناصر الدین البانی نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار

دیا ہے۔ دیکھیے: السنة، لابن ابی عاصم، بذیل حدیث (۴۴۵)]

کیا آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا؟

آنحضرت ﷺ نے معراج کے موقع پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اہل علم کے ہاں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور اس اختلاف کی بنیادی وجوہات دو ہیں: ایک تو معراج کے حوالے سے سورۃ النجم کی چند آیات کے مفہوم کا تعین اور دوسری وجہ بعض صحابہ کے اقوال ہیں۔ جہاں تک سورۃ نجم کی آیات کے معنی و مفہوم کے تعین کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں ان آیات کو پہلے ملاحظہ کر لینا ضروری ہے۔

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ أَتَتَسَّرُونَ عَلَىٰ مَا يُرَىٰ وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ إِذْ يَنْفَسِي السُّنْبُرَةَ مَا يُفْشِي مَا زَارِعَ الْبَصُرِ وَمَا طَفَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ [النجم - ۱۸ تا ۲۱]

”قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے، کہ تمہارے سامنے نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی

راہ پر ہے اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے جو زور آور ہے۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس وہ دو مکانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (تفسیر نے) دیکھا۔ کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس پر جو (تفسیر) دیکھتے ہیں۔ تحقیق اس نے ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تصدیر المنتہی کے پاس۔ اسی کے پاس جنة العاوی ہے۔ جب کہ سدرۃ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھپا رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بھی نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں۔“

ان آیات میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

(۱)..... معراج کے موقع پر آپ نے جو کچھ دیکھا وہ برحق تھا (آیات ۱۱، ۱۲، ۱۷)

(۲)..... آپ نے زندگی میں دوسری مرتبہ کسی خاص ہستی کو دیکھا (آیت: ۱۳)

(۳)..... آپ نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں (آیت: ۱۸)

ان میں سے پہلی اور تیسری بات کا تعلق عالم بالا کی سیر، جنت اور جہنم کے مشاہدہ وغیرہ سے ہے اور یہی وہ نشانیاں تھیں جنہیں دکھانے کے لیے معراج کروائی گئی جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں معراج کا مقصد بھی بتایا گیا کہ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ

الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾ [بنی اسرائیل - ۱]

”پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں۔“

سورۃ نجم کی آیت ۱۸ کی طرح یہاں سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تو کہا ہے کہ ہم نے بعض اپنی نشانیاں آپ کو دکھانی تھیں مگر یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کو اپنا دیدار کروانا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار بھی کروانا تھا تو یہ اتنی اہم بات تھی کہ اسے

صراحت کے ساتھ یہاں ضرور بیان کیا جاتا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے مطالبے اور خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار نہیں کروایا۔ جب کہ دوسری طرف بھی ایک نبی کا معاملہ ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دیدار کروایا ہوتا تو اس خاص فضل الہی سے سکوت نہیں کیا جاسکتا تھا۔

سورۃ نجم کی آیات میں بیان ہونے والے اس نکتہ ”کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ کسی ہستی کو دیکھا ہے“ کی وضاحت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت مسروق (تابعی) سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا۔ انہوں نے بیان فرمایا اے ابو عائشہ: (یہ مسروق کی کنیت تھی) تین باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی نے ایک بھی بیان کی تو وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا۔ میں نے کہا کہ وہ کون سی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ (ایک تو یہ ہے کہ) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ مسروق فرماتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا مگر یہ بات سن کر میں اٹھ بیٹھا اور عرض کیا، اے ام المؤمنین جلدی نہ فرمائیے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْئِقِ الْمُبِينِ﴾ [التکویر: ۲۳] ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ [النجم: ۱۳] (یعنی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص ہستی کو دیکھا ہے اور بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی ہوگی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ اس امت میں سے سب سے پہلے میں نے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان (آیات سے پیدا ہونے والے شبہ) کے متعلق دریافت کیا تھا اور آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ

((الما هو جبریل لم اراه على صورته التي خلق عليها غير هاتين المرتين، رايته منهبطا من السماء سادا عظم خلقه ما بين السماء الى الارض))

”اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اس اصلی صورت میں جس پر

اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، ان دو موقعوں کے علاوہ کبھی نہیں دیکھا۔ (ان دونوں مواقع پر) میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور ان کی عظیم ہستی زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا پر چھائی ہوئی تھی۔“

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم نے یہ آیات نہیں سنیں:

﴿لَا تَلِدُكُمْ إِلَّا بِصَارٍ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الانعام

- ۱۰۳]

”اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔“

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَخْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِهِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذِنِهِ مَا يَشَاءُ إِلَيْهِ عَلَيْهِ حَكِيمٌ﴾ [الشوری - ۵۱]

”ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے، بے شک وہ برتر ہے حکمت والا ہے۔“ [مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول اللہ عزوجل: ولقد راه

نزلة اخرى (ح ۱۷۷) نیز دیکھیے: بخاری: ۴۶۱۲، ۳۲۲۴، ۴۸۵۰، ۷۳۸، ۷۵۳۱]

اس صحیح حدیث سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سورۃ نجم میں جس ہستی کو دیکھنے کا ذکر ملتا ہے اس مراد جبریل علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نہیں۔ اور یہی بات دیگر صحابہ کرام مثلاً ابن مسعود، ابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کی ہے۔ [دیکھیے: بخاری: کتاب التفسیر:

سورۃ النجم: باب (ح ۱) مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول اللہ عزوجل: ولقد راه نزلة

اخری (ح ۱۷۴ تا ۱۷۶)]

اختلاف کا دوسرا سبب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدار الہی کے حوالے سے پیدا ہونے والے اختلاف کی بنیادی وجہ تو سورۃ نجم کی آیات کے مفہوم کا تعین تھی مگر جب اس کے تعین میں صحابہ کا اختلاف ہوا تو آگے چل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال خود اہل علم کے لیے اس مسئلہ میں اختلاف کا دوسرا سبب بن گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت کعبؓ کے حوالے سے ایسی روایات ملتی ہیں جن میں ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔“ حضرت کعبؓ اور حضرت انسؓ سے مروی روایات کی استنادی حیثیت تو اگرچہ مشکوک ہے مگر حضرت ابن عباسؓ کی بعض روایات بسند صحیح ثابت ہیں اور بعض بسند صحیح ثابت نہیں۔ ان سے جو روایات بسند صحیح ثابت ہیں ان میں یا تو مطلق طور پر یہ ذکر ہے کہ ((رای

محملہ ۴)) [ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سور قلنحم (۳۲۷۹)]

”یعنی محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا“..... یا پھر تفسیر کے ساتھ یہ الفاظ ملتے ہیں: ((راہ بقلبہ)) یعنی ”آنحضرت ﷺ نے اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔“ [مسلم:

کتاب الایمان: باب معنی قول اللہ عزوجل: ولقد راہ نزلة اخرى (ح ۱۷۶، ۲۸۴)]

ایک صحیح روایت میں اس طرح ہے کہ ((رَأَاهُ بِفُؤَادِهِ مَوْتِنًا)) [ابن ماجہ (۲۸۵، ۲۸۶)]

”دو مرتبہ آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا تھا۔“ جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی

وہ روایات بسند صحیح ثابت نہیں جن میں یہ الفاظ ہیں: ((ان النبي راى ربه بعينه))

”نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کو اپنے (سر کی) آنکھوں سے دیکھا ہے۔“ [یاد رہے

کہ ایسی روایات معاصم طبرانی، ابن مردویہ اور دیگر کتب تفسیر میں موجود ہیں]

گویا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف زیادہ سے زیادہ یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ نے سر کی آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ مگر اس کے باوجود حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا فیصلہ

جمہور علمائے امت نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی بجائے اس مسئلہ میں دیگر صحابہ کرام کے موقف کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ سے بسند صحیح کچھ ایسی احادیث مروی ہیں جن میں آپ کی یہ صراحت مذکور ہے کہ میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔ اس نوعیت کی احادیث درج ذیل ہیں:

[۱]..... ((عن ابی ذر قال سألت رسول الله هل رأيت ربك؟ قال: نورٌ، أُنَّى أراه؟)) [مسلم: كتاب الايمان: باب في قوله: نور انى لراه... (۱۷۸)]
 ”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ وہاں تو نور تھا، میں بھلا اپنے رب کو کیسے دیکھ سکتا تھا؟“

[۲]..... ((عن عبد الله بن شقيق قال: قلت لابي ذر: لو رأيت رسول الله لسألتُه، فقال: عن أي شيء كنت تسأله؟ قال: كنت أسأله: هل رأيت ربك؟ قال ابو ذر: قد سألتُه فقال: رأيتُ نورًا)) [مسلم: ايضا (ح ۱۷۸، ۲۹۲)]

عبداللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہوتا تو میں آپ ﷺ سے ضرور سوال کر لیتا۔ حضرت ابو ذر نے کہا: تم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے؟ میں نے کہا کہ میں آپ سے یہ سوال کرتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سوال تو میں نے بھی اللہ کے رسول ﷺ سے کیا تھا اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ میں نے بس ایک نور دیکھا تھا۔ (اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا)

[۳]..... ((عن ابی موسیٰ قال: قام فینا رسول اللہ بخمس كلمات فقال: حجابہ النور (وفی رواہ ابی بکر: النار) لو كشفه لأحرقت سُبحات ووجہ ما انتهى إليه بصره من خلقه)) [مسلم: كتاب الايمان: باب في قوله عليه السلام: ان الله لا ينام..... (ح ۱۷۹)]

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور ہمیں پانچ باتیں بتائیں..... (ان میں ایک یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ کا پردہ نور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پردے کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کی شعاعیں وہاں تک اس کی مخلوق کو جلا کر خاکستر کر دیں، جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے۔“
 مذکورہ بالا تینوں احادیث میں سے پہلی حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان تھا

کہ..... ”میں بھلا اللہ کو کیسے دیکھ سکتا ہوں“ دوسری حدیث میں یہ تھا کہ..... ”میں نے تو بس ایک نور دیکھا تھا۔“ اور تیسری حدیث میں اس نور کی وضاحت ہو گئی کہ..... ”وہ اللہ تعالیٰ کا پردہ تھا۔“ اور مزاج کے موقع پر یہ پردہ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے درمیان حاصل تھا، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی نوری پردہ ہی آپ دیکھ پائے۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اپنا دیدار کروانا چاہیں گے تو اس نور کے پردہ کو اپنے سامنے سے ہٹادیں گے جیسا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب جنت والے جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: کیا تمہیں کوئی چیز چاہیے کہ میں مزید تمہیں عطا کروں؟ جنتی کہیں گے: (یا اللہ!) کیا آپ نے ہمارے چہروں کو منور نہیں فرمادیا؟ کیا آپ نے ہمیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل نہیں فرمادیا؟ (اب بھلا ہمیں اور کیا چاہیے) آپ ﷺ فرماتے ہیں: ((فیکشف الحجاب فما اعطوا شيئا احب اليهم من النظر الى ربهم

عز وجل)) [مسلم: کتاب الایمان: باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة..... (ح ۱۸۱)]
 ”پھر اللہ تعالیٰ (اپنا دیدار کروانے کے لیے) پردے کو ہٹادیں گے اور یہی دیدار الہی کی نعمت اہل جنت کے لیے سب سے پسندیدہ چیز ہوگی۔“

رؤیة تو باری تعالیٰ اور بعض ضعیف روایات:

اوپر بیان کردہ روایات تو وہ تھیں جو سند بالکل صحیح ہیں اور ان سے مصنف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ جب کہ ان کے علاوہ بعض ایسی روایات بھی کتب احادیث و کتب تفاسیر میں منقول ہیں جن کا مفہوم مذکورہ بالا روایات کے منافی اور جن کی اسناد غیر ثابت شدہ ہیں۔ مثلاً تفسیر طبری میں ہے کہ محمد بن کعب قرظی نے چند صحابہ سے یہ روایت کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا کہ ((رایتہ بقوادی مرتین)) میں نے اپنے دل سے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ [تفسیر طبری

(ح ۳۲۴۰۲)]

یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ الربیذی نامی راوی ضعیف ہے۔ اسی طرح ایسی کوئی بات صحیح احادیث میں نہیں ملتی کہ معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پردے ہٹا کر آنحضرت ﷺ کو اہنہ دیدار کروایا ہو اور اپنے سامنے ہٹا کر گفتگو فرمائی ہو۔ اس لیے ایسی باتیں بیان یا تحریر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حالت خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار

گزشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کسی انسان کے لیے ممکن نہیں حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی یہ ممکن نہ ہوا اور خود نبی اکرم ﷺ نے بھی معراج کے موقع پر اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ البتہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب (نیند) کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا۔ ان روایات کو امام ترمذی، امام حاکم، امام سیوطی، حافظ ابن کثیر اور بعض دیگر صلانی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس سلسلہ میں یکے بعد دیگرے تین روایات اپنی ”جامع ترمذی“ میں نقل کی ہیں ان میں سے سب سے طویل روایت درج ذیل ہے:

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز میں اللہ کے رسول ﷺ نے بہت دیر لگا دی یہاں تک کہ سورج طلوع ہونے کا وقت آ پہنچا پھر جلدی جلدی آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز کے لیے اقامت کہی گئی پھر آپ ﷺ نے مختصر (ہلکی) نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد اونچی آواز میں (لوگوں سے) فرمایا: اپنی اپنی مضمون میں بیٹھے رہو۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مجھے نماز کے لیے آنے میں دیر کیوں ہوئی؟ میں اس کے بارے میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہوا یہ کہ میں نماز تمہارے لیے رات بیدار ہوا پھر وضو کر کے حسب توفیق نماز پڑھی اور نماز ہی میں مجھے اونگھ آنے لگی اور میں بوجھل ہو گیا پھر اچانک میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے رب کے پاس ہوں اور میرا رب بہت ہی عمدہ صورت میں (دکھائی دیتا) ہے۔ مجھے رب تعالیٰ مخاطب فرماتے ہیں: اے محمد ﷺ! میں کہتا ہوں: یا رب! میں حاضر ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ملاء اعلیٰ“ (عالم بالا کے فرشتے) کس معاملے میں بحث و تکرار کر رہے ہیں، تمہیں

علم ہے؟ میں نے کہا: نہیں! تین مرتبہ یہی سوال وجواب ہوا پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا یہاں تک کہ اللہ کی انگلیوں کی ٹھنڈک مجھے اپنے سینہ میں محسوس ہوئی اور مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا (کہ عالم بالا کے فرشتے اس وقت کس معاملے میں بحث و تکرار کر رہے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے مخاطب فرمایا: اے محمد ﷺ! میں نے کہا: یا رب میں حاضر ہوں! پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ عالم بالا کے فرشتے کس معاملے میں بحث و تکرار کر رہے ہیں؟ [ترمذی ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ میں نے کہا جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بتاؤ: میں نے کہا: گناہوں کے کفارے اور درجوں کے بارے میں تکرار کر رہے ہیں۔“ (ترمذی - ح ۳۲۳۴) جبکہ پہلی طویل روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں کہ [اب میں نے کہا جی ہاں! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر بتاؤ: میں نے کہا: گناہوں کے کفارے کے بارے میں۔ پھر اللہ نے فرمایا: پھر تم بتاؤ کہ وہ کیا ہیں؟ میں نے کہا: نماز باجماعت کے لیے قدم اٹھا کر جانا، نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور ناچاچتے ہوئے بھی مکمل وضو کرنا۔ پھر اللہ نے پوچھا: درجے کیا ہیں؟ میں نے کہا: کھانا کھلانا، نرم کلام کرنا اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں، نماز پڑھنا۔“

[ترمذی: کتاب التفسیر القرآن، باب ومن سورة الزمر (ح ۳۲۴۱-۳۲۴۲) امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: صحیح الترمذی (۲۰۸۰، ۲۰۸۱) عبدالرزاق مہدی نے امام شوکانی کی تفسیر فتح البقیع کی تخریج میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ [دیکھیے: حلیت۔ ۲۲۸۳] نیز امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث (حسن) صحیح ہے امام حاکم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [دیکھیے: مستدرک حاکم (ج ۱ ص ۵۲۱)] اس حدیث کے کئی اور شاہد بھی ہیں [دیکھیے: تفسیر الدر المنثور (۵/۵۶ تا ۵/۵۹) احمد (۱۵/۲۴۳)] واضح رہے کہ اس روایت میں نبی ﷺ کا اللہ تعالیٰ اور عالم بالا کا مشاہدہ کرنا حالت بیداری ہی میں تھا یا خواب میں؟ اس کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ حافظ ابن کثیر کے بقول صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ خواب کا ہے۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر مترجم (۴/۶۵) طبع، مکتبہ قدوسیہ، لاہور]

پانچویں فصل

اللہ تعالیٰ کے بارے میں چند گمراہانہ نظریات!

(۱)..... ہر چیز اللہ ہے، معاذ اللہ!

جس طرح بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اسی طرح بعض لوگوں نے ان کے برعکس ہر نظر آنے والی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کا حصہ قرار دے لیا اور کہا کہ جس طرح پانی بخارات میں تبدیل ہو یا برف کی شکل اختیار کرے، دونوں صورتوں میں اس کا وجود باقی رہتا ہے اور مناسب درجہ حرارت پر وہ دوبارہ پانی کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے یا جس طرح سورج کی روشنی کرنوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کائنات میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئی ہے۔ کوئی الگ ذات باری تعالیٰ نہیں ہے..... معاذ اللہ!

اس نظریے کو وحدت الوجود کہا جاتا ہے۔ فارسی میں اس کے لیے ”ہمہ اؤ است“ یعنی سب کچھ وہی (اللہ) ہے [کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق غلامت کے ڈھیر اور پھولوں کے باغ، کافر و مشرک اور مومن و مسلم، پاکیزہ چیزیں اور نجاشیں سب کچھ برابر ہیں کیونکہ اس نظریے کی رو سے یہ سبھی چیزیں خدا ہیں..... معاذ اللہ!

(۲)..... سب کچھ اللہ کا پرتو (سایہ) ہے (وحدۃ الشہود)

وحدت الوجود میں تو اللہ تعالیٰ کی مستقل ذات کو تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ سب موجودات کو اللہ قرار دیا جاتا ہے مگر وحدت الشہود میں یہ خیال کا فرما ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل ذات موجود ہے جب کہ کائنات اس اللہ کا سایہ، پرتو اور عکس ہے۔ وحدۃ الشہود کے قائل اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ جس طرح شیشے یا پانی میں کسی چیز کا عکس دیکھا جاتا ہے اسی طرح کائنات اللہ کا عکس ہے اور جس طرح کسی چیز اور اس کے عکس کا باہمی تعلق ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور کائنات کا باہمی تعلق ہے۔ وحدت الشہود کو فارسی میں ’ہمہ از اوست‘ سے پکارا جاتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ”جو کچھ بھی ہے سب اسی

(خدا) کی طرف سے ہے۔ اگر اس سے مراد یہ لیا جائے کہ موجودات کا خالق اللہ ہی ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں مگر وحدت الشہود کے قائل اس سے یہ مراد نہیں لیتے بلکہ وحدت الشہود کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ سب کچھ اللہ کا عکس (پرتو) ہے۔ گویا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی بڑا فرق نہیں اور اگر کچھ فرق ہے بھی تو ان کے نتائج قریب قریب ایک ہی ہیں جیسا کہ آئندہ تفصیلات سے معلوم ہوگا۔

(۳)..... اللہ تعالیٰ انسان کی ذات میں اتر آتے ہیں (حلول و اتحاد) معاذ اللہ

ذات باری تعالیٰ کے حوالے سے ایک نظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی انسان کے جسم میں اتر آتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اور اس انسان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا (معاذ اللہ) اسے 'حلول' یا 'اتحاد' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔

وحدة الوجود، وحدت الشہود اور حلول و اتحاد

مذکورہ بالا تینوں نظریات کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے کہ..... "انسان عبادت و ریاضت کے ذریعے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اسے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی نگاہوں سے وہ پردہ مٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے کائنات کی مختلف چیزیں مختلف صورتوں میں بالعموم نظر آتی ہیں۔ (اسے وحدة الوجود کا درجہ کہا جاتا ہے) پھر اگر وہ عبادت و ریاضت میں مزید ترقی کرتا چلا جائے تو اس کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اور اس طرح وہ انسان اور اللہ تعالیٰ ایک ہی ذات بن جاتے ہیں۔ اس درجہ کو فنا فی اللہ کہا جاتا ہے۔ اور پھر اگر وہ مزید عبادت و ریاضت میں ترقی کر لے اور اس کا نفس و نبوی خواہشات سے یکسر پاک صاف ہو جائے تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی ذات میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسے 'حلول' یا 'اتحاد' کہا جاتا ہے۔"

ان نظریات کی حقیقت کیا ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات سے ان کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ آئندہ طور میں اس کی کچھ وضاحت ہم پیش کر رہے ہیں۔

عقیدہ حلول و اتحاد

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات باہر کات آسمانوں سے اوپر عرش پر

ہے اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کی زندگی میں انسانوں کو اپنا دیدار نہیں کرواتے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پڑنے والی معمولی سی جھلی کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس لیے یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا عرش چھوڑ کر کسی انسان کے جسم میں داخل ہو جائیں یا کسی انسانی شکل میں نمودار ہو کر دنیا کا رخ اختیار کر لیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں دنیا میں نمودار ہوئے ان کی اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی اور ان کے اس نظریے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ [المائدة - ۷۲]

”بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔“

ہندومت ایک قدیم مذہب ہے اس میں بھی طول کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں یہ عقیدہ اوتار کہلاتا ہے۔ اس کے مطابق ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی خاص مقصد کے تحت انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آ جاتے ہیں اور جس شخص کی شکل اللہ اختیار کرتا ہے اسے اللہ کا اوتار کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے بقول دس مرتبہ اللہ تعالیٰ انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ (معاذ اللہ)

مسلمانوں میں عقیدہ طول کی داغ بیل ڈالنے والا عبداللہ بن سبائنامی ایک یہودی تھا جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور خدائی صفات کا مظہر قرار دیتا تھا۔ اس نے جلد ہی اپنے معتقدین کی ایک جماعت بھی تیار کر لی۔ ایک دن اس کے کچھ عقیدت مند علی الاعلان بازار میں کھڑے ہو کر اپنے نظریے کا پرچار کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر نے ان کی باتیں سن لیں۔ انہوں نے فوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جا کر اطلاع دی کہ کچھ لوگ آپ کو خدا کہہ رہے ہیں اور آپ میں خدائی صفات مانتے ہیں۔ آپ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ میرے بارے میں تم کیا نظریات رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے رب اور خالق و رازق ہیں۔ آپ نے کہا: تم پر افسوس ہے میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں اور تمہاری طرح کھانے پینے کا محتاج بھی ہوں۔ اگر میں اللہ کی اطاعت کروں گا تو مجھے اجر ملے گا اور اگر اس کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے بھی سزا دے گا لہذا تم بھی اسی خدا سے ڈرو اور اپنے

خیالات سے تائب ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر آپ نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا۔ مگر وہ پھر بھی اپنے نظریات پر قائم رہے حتیٰ کہ تین مرتبہ انہیں سمجھانے کے باوجود جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ یہ باز نہیں آتے تو انہوں نے ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا۔ ان میں سے جو لوگ بچ گئے وہ اپنے نظریات میں اور پختہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ آگ کا عذاب تو صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں چونکہ خدائی صفات ہیں اس لیے انہوں نے آگ کا عذاب دیا ہے۔ [فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج ۱۲: ص ۲۳۸، بحوالہ

شریعت وطریقت از عبد الرحمن کیلاتی (ص ۶۷، ۶۸)]

یہ نظریات مخفی طور پر پھیلتے رہے حتیٰ کہ صوفیا کے گروہ اس سے زیادہ متاثر ہوئے مثلاً حسین بن منصور حلاج (م ۳۰۹ھ) عبدالکریم (م ۸۲۰ھ) وغیرہ ایسے صوفی ہو گزرے ہیں جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں اللہ تعالیٰ نے حلول کر لیا ہے۔ (معاذ اللہ)

عقیدہ حلول کے اثرات آج بھی بعض مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا اندازہ ایک تو ان نعتوں سے ہوتا ہے جن میں فرط محبت کی وجہ سے شاعر اللہ کے رسول ﷺ کی ذات میں خدائی صفات ثابت کرنے لگتا ہے اور دوسرا بعض صوفیا کے شاذ و نادر واقعات سے بھی ہوتا ہے مثلاً ”حقیقت وحدت الوجود“ کے مصنف عبدالکیم انصاری اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۶۰، ۶۱ پر اس طرح کا ایک واقعہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”ہمارے ایک چشتیہ خاندان کے پیر بھائی تھے جو صوفی جی کے نام سے مشہور تھے۔ وہ صاحب اجازت تھے اور ان کے بہت سے مرید بھی تھے۔ ایک دن میرے پاس آئے تو ہم مل کر چائے پینے لگے۔ چائے پیتے پیتے صوفی جی کے چہرے پر کیفیت کے آثار نمایاں ہوئے، چہرہ سرخ ہو گیا، آنکھوں میں لال لال ڈورے ابھر آئے۔ پھر کچھ نشہ کی سی حالت طاری ہوئی۔ یکا یک صوفی جی نے سر اٹھایا اور کہنے لگے: ”بھائی جان! میں خدا ہوں۔“ اس پر میں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے صوفی جی سے کہا: ”آپ خدا ہیں، تو اسے جوڑ دیجیے۔“ صوفی جی نے دونوں ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو ملا کر ان پر توجہ فرمائی لیکن کیا بننا تھا۔ ساتھ ہی ان کی وہ کیفیت بھی غائب ہو گئی جس کی وجہ سے وہ خدائی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ اس پر صوفی جی کہنے لگے: ”پھر یہ آخر سب کچھ کیا ہے؟“ میں نے پوچھا: ”کیا؟“ وہ بولے کہ ”یہی

وحدت الوجود! میرے خیال میں تو یہ سب ایک کیفیت ہے حقیقت نہیں ہے۔“ میں نے کہا: ”واقعی آپ نے پتہ کی بات کہی، وحدت الوجود ایک بہت بڑی کیفیت ہے، حقیقت نہیں ہے۔“ صوفی جی نے کہا: ”تو کیا حضرت ابن عربی جیسے عظیم الشان بزرگ نے بھی غلطی کی ہے۔“ میں نے کہا: ”ابن عربی نبی تو نہیں تھے، ولی ہی تھے اور اولیاء سے غلطی ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن میرے خیال میں حق یہ ہے کہ انہوں نے غلطی نہیں کی بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی جیسی کہ ابھی آپ کو اپنے بارے میں ہو گئی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کی کیفیت صرف چند لمحوں کے لیے تھی اس لیے غلط فہمی بھی چند لمحے رہی، لیکن ابن عربی چونکہ اپنے سلوک کے اعتقاد پر آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے اس لیے ان کی غلط فہمی دور نہ ہوئی۔“ [شریعت و طہریقت (ص: ۹۴)]

عقیدہ وحدت الوجود

یہ نظریہ کہ..... ”خدا کوئی ایک ذات نہیں بلکہ جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے“..... وحدت الوجود کہلاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں دور دور تک اس نظریے کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین عظام کے زمانوں میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے۔ البتہ عباسی دور میں جب یونانی، ہندی اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے عربی میں کیے گئے تو ان میں یہ نظریہ موجود تھا۔ چنانچہ پھر مسلمان بھی آہستہ آہستہ اس نظریے سے متاثر ہونے لگے حتیٰ کہ ساتویں صدی ہجری میں ابن عربی جیسے مشہور صوفی نے کتابیں لکھ کر اس نظریے کو باقاعدہ شکل دی اور اسے اسلامی بنانے کے لیے قرآن و حدیث میں تاویلات کا ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ ابن عربی کے بعد وحدت الوجود کا عقیدہ اتنا مقبول ہوا کہ اسے نہ ماننے والوں پر کفر و شرک کے فتوے لگنا شروع ہو گئے حتیٰ کہ جب بلاد عرب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ہندوستان میں شیخ مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی) کی وحدت الوجود کے خلاف علمی کوششیں شروع ہوئیں تو تب جا کر وحدت الوجود کا سیلاب تھما اور اسے صریح کفریہ و شرکیہ عقیدہ سمجھا جانے لگا۔

وحدت الوجود ایسا نظریہ ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ..... ”مخلوق اور خالق میں کوئی فرق نہیں..... معبود اور عابد میں کوئی امتیاز نہیں..... کفر اور ایمان میں کوئی اختلاف

نہیں..... نجاست اور طہارت میں کوئی تضاد نہیں..... علم اور جہالت میں کوئی تضاد نہیں..... زندگی اور موت میں کوئی تناقض نہیں.....!

ظاہر ہے کہ اگر ان باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن وحدیث کی (معاذ اللہ) دجھیاں بکھر جائیں گی کیونکہ قرآن وحدیث میں خالق اور مخلوق کا، رازق اور مرزوق کا، عابد اور معبود کا فرق بیان کیا گیا ہے اور ایمان و توحید اور کفر و شرک کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا گیا ہے۔ اہل جنت اور اہل جہنم میں حد فاصل قائم کی گئی ہے۔ نجاست و طہارت، حلال و حرام اور علم و جہالت میں بعد واضح کیا گیا ہے۔

اور اگر قرآن وحدیث کی تعلیمات کو تسلیم کیا جائے تو وحدت الوجود کے لیے قبولیت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اس لیے وحدت الوجود قرآن وحدیث کے صریح منافی اور ایک غیر اسلامی عقیدہ ہے۔

وحدت الشہود

یہ نظریہ کہ..... ”کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا سایہ ہے وجود نہیں بلکہ وجودان سے جدا ہے“..... یہ وحدت الشہود دکھلاتا ہے۔ اس میں وحدت الوجود کے برعکس یہ تو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مستقل ذات ہے جو اس کی مخلوق سے جدا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ مخلوق حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کا پر تو (سایہ) ہے۔ یہ نظریہ بھی بڑے بڑے صوفیا میں مشہور و مقبول رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی کئی ایک قباحتیں ہیں مثلاً:

- (۱)..... اول تو اس نظریہ کی تائید قرآن وحدیث سے نہیں ہوتی۔
- (۲)..... صحابہ کرام اور تابعین عظام بلکہ پورے خیر القرون میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر یہ ایسا ہی ضروری اسلامی عقیدہ تھا تو اس کی مثال کم از کم ائمہ سلف سے ضرور ملتی چاہیے تھی۔

(۳)..... کسی چیز کا سایہ ہمیشہ اپنے اصل سے قائم رہتا ہے۔ اگر اصل میں اتار چڑھاؤ، کمی بیشی یا کسی اور طرح کی تبدیلی واقع ہو تو سایہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔ کائنات کو اگر اللہ کا سایہ تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ کائنات میں ہونے والی

تبدیلیاں دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود میں ہونے والی تبدیلیوں کا اشارہ ہے۔ یعنی کائنات میں اشیاء کا فنا و زوال سے دوچار ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ میں نقص واقع ہو رہا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا تو پھر لازماً یہ ماننا ہوگا کہ کائنات اللہ کا سایہ و پر تو نہیں ہے۔

(۳)..... قرآن و حدیث کے بیان کے مطابق کائنات اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حکم سے ایک روز یہ ساری کی ساری فنا ہو جائے گی جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو کوئی فنا نہیں۔

(۵)..... سایہ اور وجود میں جو مضبوط تعلق ہوتا ہے، اگر کائنات کو خدا کا سایہ قرار دے دیا جائے تو وہی تعلق اللہ اور کائنات کے درمیان بھی ماننا پڑے گا اور اس طرح وحدت الشہود بھی قریب قریب وہی صورت اختیار کر لے گا جو وحدت الوجود کی ہے۔ اور جب وحدت الوجود غیر اسلامی عقیدہ ہے تو پھر وحدت الشہود کو بھی اسلامی عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

وحدة الوجود، شہود اور حلول کے اثبات کے دلائل کی حقیقت

حلول، وجود اور شہود جیسے غیر اسلامی نظریات کو اسلامی بنانے کے لیے ایک طرف جعلی احادیث بنا کر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کی گئیں اور دوسری طرف قرآن مجید اور صحیح احادیث میں بے جاتا ویلات کا دروازہ کھولا گیا۔ آئندہ سطور میں ان دونوں پہلوؤں سے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

باطل نظریات کے تائید میں بنائی گئی چند جھوٹی احادیث

(۱)..... ((اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله))

”مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔“

یہ روایت جتنی اسناد سے مروی ہے ان میں سے کوئی ایک سند بھی ضعف سے خالی نہیں۔ امام ابن جوزی، ناصر الدین البانی، ابن عدنی وغیرہ نے اسے انتہائی کمزور روایت قرار دیا ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: جامع الترمذی: کتاب التفسیر: باب ومن سورة المحر... (ح ۳۱۲۷) حلیۃ الاولیاء (ج ۱۰ ص ۲۸۱) الضعفاء للعقلمی (ج ۴ ص ۱۲۹) المنصوصات لابن جوزی (۳: ۱۴۵) الکامل فی الضعفاء (۱: ۲۱۰) تاریخ

بغداد (۲۴۲:۷) ضعیف الجامع الصغیر (۱۲۷) المعجم الكبير (۷۴۹۷) مجمع

الزوائد (۱۰: ۲۶۸) المقاصد الحسنة (۳۳) السلسلة الضعيفة ج ۴: ص ۲۰۲۹۹ (۳۰)

(۲)..... ((لو لاک لما خلقت الافلاک))

”اے محمد ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔“

اس حدیث کو محدثین نے موضوع (یعنی جعلی اور من گھڑت) روایت قرار دیا ہے۔

[دیکھیے: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ از شیخ ناصر الدین البانی]

(ج ۱ ص ۴۵۱) رقم الحدیث (۲۸۲)

(۳)..... ((من عرف نفسه فقد عرف ربه))

”جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔“

اس حدیث کو بھی محدثین نے جموئی اور باطل روایت کہا ہے۔ [دیکھیے: ایضاً: ج ۶۶]

(۴)..... ((كنت كنزا لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقتم خلقا))

”میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں چنانچہ میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔“

اس حدیث کو بھی محدثین نے جموئی روایت کہا ہے۔ [مثلاً دیکھیے: تذکرۃ الموضوعات

(۱۱) اسرار المرفوعة (۲۷۳) تنزیہ الشریعة (ج ۱ ص ۱۴۸)]

مذکورہ بالا تمام روایات جموئی اور خود ساختہ ہیں۔ اسی طرح کی کچھ اور جعلی روایات بھی

صوفیا کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ان روایات سے مذکورہ بالا گمراہانہ نظریات کو صحیح ثابت

کرنے کے لیے مختلف پہلوؤں سے استدلال کیا جاتا ہے مگر جب یہ روایات ہی صحیح ثابت

نہیں تو ان سے استدلال بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہاں اپنے قارئین کو میں یہ نصیحت بھی

کرنا چاہوں گا کہ دین کے معاملے میں ہمیشہ صحیح احادیث کو پیش نظر رکھا کریں اور ایسی

کتابوں کا انتخاب کیا کریں جن میں احادیث کی تحقیق و تخریج کا اہتمام ہو۔

آیات قرآنی اور صحیح احادیث سے غلط استدلال

اسی طرح ان گمراہانہ عقائد کو صحیح اسلامی عقائد ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید اور صحیح

احادیث میں تحریف و تاویل کا دروازہ بھی کھولا گیا مثلاً قرآن مجید میں مذکور ان آیات جن

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ یا تمہارے قریب ہیں، سے یہ استدلال کرنے کی

کوشش کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے حالانکہ یہ بات صریح طور پر غلط ہے جیسا کہ

گزشتہ سطور میں اس کی تفصیلات سے ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح بعض صحیح احادیث سے غلط مفہوم نکالنے کی کوشش کی گئی مثلاً بخاری و مسلم کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کے لیے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے محبوب وہ عبادتیں ہیں جو میں نے فرض کی ہیں اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ (کسی دشمن سے) میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور مجھے کسی چیز کے بارے میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالتے وقت ہوتا ہے۔ میرا بندہ تو جسمانی تکلیف کی وجہ سے موت کو پسند نہیں کرتا جب کہ مجھے بھی اسے (موت کی) تکلیف دینا برا لگتا ہے۔“ [بخاری: کتاب الرقاق: باب التواضع (ح ۶۵۰۲)]

اتحادی اور حلولی اس حدیث سے یہ معنی کشید کرتے ہیں کہ انسان عبادت و ریاضت کے بعد فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور اس میں اور اللہ میں جسمانی طور پر کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا حالانکہ اس حدیث کا آخری حصہ اس بات کی صاف نفی کرتا ہے کیونکہ آخری الفاظ میں بندے اور رب میں فرق کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بندہ اللہ سے سوال کرے یا پناہ طلب کرے تو اس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔ اگر بندہ اللہ کی ذات میں فنا ہو کر مین اللہ ہی بن جاتا ہے تو پھر وہ سوال کس سے کرتا ہے؟ اور پناہ کس سے مانگتا ہے؟ ظاہر ہے کہ بندہ بندہ ہی رہتا ہے محاذ اللہ خدا نہیں بن جاتا اور اگر وہ خدا بن جاتا ہے تو اسے موت کیوں آتی ہے؟ باقی رہا اللہ کا کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بننے کا سوال تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے سبھی اعضاء اللہ کے حکم کے تابع فرمان بن جاتے ہیں۔ وہ اپنے کان سے وہی سنتا ہے جو اللہ کو پسند ہوتا ہے۔ وہ اپنی آنکھ سے وہی دیکھتا ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں کی ہر حرکت اللہ کے احکام کے مطابق ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں سے مطلع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الاعراف۔ ۱۸۰]

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں سے اللہ تعالیٰ ہی کو منسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔“

اس آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں:

- (۱)..... اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں اور ان کے ساتھ ہی اللہ کو پکارنا چاہیے۔
 - (۲)..... ان ناموں میں تحریف اور بگاڑ پیدا کرنے والوں سے نفرت کرنی چاہیے۔
 - (۳)..... تحریف اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو روز قیامت منجانب اللہ سزا دی جائے گی۔
- اللہ تعالیٰ نے اپنے جن اچھے ناموں کا یہاں تذکرہ کیا ہے، وہ چونکہ لامحدود ہیں اس لیے ان کی مکمل فہرست قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ننانوے نام یکجا بیان ہوئے ہیں مگر اس حدیث کی سند محدثین کے اصولوں کے مطابق صحیح نہیں۔ البتہ بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

((ان لله تسعة وتسعين اسماء مائة الا واحد، عن احصاها دخل الجنة))

[بخاری: کتاب الدعوات: باب لله تعالیٰ مائة اسم غیر واحد (ح ۲۷۳۶) مسلم: کتاب

الذکر والدعاء (ح ۲۶۷۷)]

”اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں جس نے انہیں یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے

”گ“

اس صحیح حدیث سے درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱)..... کیا اللہ کے نام صرف ننانوے (۹۹) ہیں؟

(۲)..... اس حدیث میں مذکور ننانوے نام کون سے ہیں؟

(۳)..... انہیں شمار (یاد) کرنے سے کیا مراد ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صرف ننانوے نام نہیں ہیں بلکہ ننانوے سے زیادہ ہیں۔ اس کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے سے زیادہ نام مذکور ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں خود نبی اکرم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

((أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ نَفْسِكَ أَوْ عَلِمَتْهُ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوْ أَنْزَلَتْهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ اسْتَأْذَنَتْ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ)) [احمد (۳۹۱/۱)]
 ”(یا اللہ!) میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تو نے اپنی ذات کے لیے تجویز کیا ہے یا جو تو نے اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا جو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا جو اپنے شبی علم میں تو نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے۔“

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں قرآن و حدیث میں کہیں اور یہ صراحت نہیں کی گئی کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں جن ننانوے ناموں کی فضیلت بیان ہوئی ہے، وہ کون سے ہیں۔ البتہ بعض اہل علم نے اس کا تعین کرنے کے لیے ان روایات کا سہارا لیا ہے جن میں ننانوے ناموں کی فہرست موجود ہے بلکہ ننانوے سے بھی کچھ زیادہ ناموں کا تذکرہ ان میں ہے مگر ان میں سے کوئی ایک بھی بسند صحیح ثابت نہیں۔ اس لیے ننانوے ناموں سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثابت شدہ کوئی بھی ننانوے نام ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم!

(۳) جہاں تک تیرے سوال کا تعلق ہے..... یعنی انہیں شمار (یاد) کرنے سے

کیا مراد ہے؟..... تو اس سلسلہ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے اہل علم نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو ان ناموں کو یاد کرنے والا، ان کے معنی و مفہوم کو سیکھنے والا، ان کے معانی پر صدق دل سے عمل کرنے والا ہو وہ جنت میں داخلے کی بشارت حاصل کر لے گا۔

قرآن و حدیث سے اسمائے حسنیٰ بیان کرنے کا اصول

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں وہ تمام اسماء شامل ہوں گے جن کا قرآن مجید یا صحیح احادیث میں ذکر ملتا ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں بعض اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان ہونے والے ہر فعل اور ہر صفت سے اللہ تعالیٰ کا نام متعین کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ [النساء - ۱۴۲]

”بے شک متقین اللہ سے چالبازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے۔“

﴿وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ﴾ [آل عمران - ۵۴]

”اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔“

﴿اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ [البقرة - ۱۵]

”اللہ تعالیٰ بھی ان سے مزاح کرتا ہے۔“

اب ان آیات کی روشنی میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں مسخادع (دھوکہ باز) ماکر (مکر فریب کرنے والا) مستهزی (مزاح اور ٹھٹھہ کرنے والا) کا اضافہ کر دیا۔ حالانکہ یہ الفاظ متقین اور کفار کی سرزنش کے لیے مخصوص پس منظر میں بطور محاورہ یا علم بلاغت کی رو سے بطور مشاکلت کے استعمال ہوئے ہیں اس لیے ان سے اسم قائل بنا کر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں انہیں شامل کرنا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو اس طرح کرنے سے کفر لازم آتا ہے۔ اسی طرح بعض اسماء ایسے ہیں جو جوڑے کی شکل میں استعمال ہوتے ہیں مثلاً المعزز، المذل (عزت دینے والا، ذلیل کرنے والا) القابض، الباسط (تنگی کرنے والا، کشادگی کرنے والا) النافع، الضار (نفع دینے والا، نقصان دینے والا) ان اسماء کو بیان کرنے کے لیے مناسب و احوط طریقہ یہ ہے کہ انہیں جوڑے کی شکل میں بیان کیا جائے ان کا علیحدہ علیحدہ شکل میں استعمال شہادت پیدا کرتا ہے۔

قرآن وحدیث سے ثابت شدہ بعض اسماء

۱۔ اللہ	۲۔ الرَّبُّ	۳۔ أَلِلَٰه	۴۔ الْوَالِدُ
۵۔ الرَّحْمَنُ	۶۔ الرَّحِيمُ	۷۔ الْمَلِكُ	۸۔ الْقَلْبُوسُ
۹۔ السَّلَامُ	۱۰۔ الْمُؤْمِنُ	۱۱۔ الْمُهَيَّبُ	۱۲۔ الْعَزِيزُ
۱۳۔ الْجَبَّارُ	۱۴۔ الْمُتَكَبِّرُ	۱۵۔ الْخَالِقُ	۱۶۔ الْبَارِي
۱۷۔ الْمُصَوِّرُ	۱۸۔ الْأَوَّلُ	۱۹۔ الْآخِرُ	۲۰۔ الظَّاهِرُ
۲۱۔ الْبَاطِنُ	۲۲۔ الْحَيُّ	۲۳۔ الْقَيُّومُ	۲۴۔ الْعَلِيُّ
۲۵۔ الْعَظِيمُ	۲۶۔ التَّوَابُ	۲۷۔ الْحَلِيمُ	۲۸۔ الْوَاسِعُ
۲۹۔ الْحَكِيمُ	۳۰۔ الشَّكِيرُ	۳۱۔ الْعَلِيمُ	۳۲۔ الْغَنِيُّ
۳۳۔ الْكَرِيمُ	۳۴۔ الْعَفُوُّ	۳۵۔ الْقَدِيرُ	۳۶۔ اللَّطِيفُ
۳۷۔ الْخَبِيرُ	۳۸۔ السَّمِيعُ	۳۹۔ الْبَصِيرُ	۴۰۔ الْمَوْلَى
۴۱۔ النَّصِيرُ	۴۲۔ الْقَرِيبُ	۴۳۔ الْمُجِيبُ	۴۴۔ الرَّقِيبُ
۴۵۔ الْحَسِيبُ	۴۶۔ الْقَوِيُّ	۴۷۔ الشَّهِيدُ	۴۸۔ الْحَمِيدُ
۴۹۔ الْمَجِيدُ	۵۰۔ الْمُحِيطُ	۵۱۔ الْحَفِيزُ	۵۲۔ الْحَقُّ
۵۳۔ الْمُبِينُ	۵۴۔ الْغَفَّارُ	۵۵۔ الْقَهَّارُ	۵۶۔ الْخَلَّاقُ
۵۷۔ الْفَتَّاحُ	۵۸۔ الْوَدُودُ	۵۹۔ الْعَفُورُ	۶۰۔ الرَّؤُوفُ
۶۱۔ الشُّكُورُ	۶۲۔ الْكَبِيرُ	۶۳۔ الْمُتَعَالُ	۶۴۔ الْمُقِيتُ
۶۵۔ الْمُسْتَعَانُ	۶۶۔ الْوَهَّابُ	۶۷۔ الْحَفِيُّ	۶۸۔ الْوَارِثُ
۶۹۔ الْوَلِيُّ	۷۰۔ الْقَائِمُ	۷۱۔ الْقَادِرُ	۷۲۔ الْغَالِبُ
۷۳۔ الْقَاهِرُ	۷۴۔ الْبَرُّ	۷۵۔ الْحَافِظُ	۷۶۔ الْأَحَدُ

۷۷۔ الصَّمَدُ	۷۸۔ اَلْمَلِيْكُ	۷۹۔ الْمُقْتَدِرُ	۸۰۔ الوَكِيْلُ
۸۱۔ الْهَادِي	۸۲۔ الْكَفِيْلُ	۸۳۔ الْكَافِي	۸۴۔ الْأَكْرَمُ
۸۵۔ الْأَعْلَى	۸۶۔ الرَّازِقُ	۸۷۔ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ	۸۸۔ غَافِرُ الذَّنْبِ
۸۹۔ قَابِلُ التَّوْبِ	۹۰۔ شَدِيْدُ الْعِقَابِ	۹۱۔ ذُو الطُّوْلِ	۹۲۔ رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ
۹۳۔	۹۴۔ فَاطِرُ	۹۵۔ بَدِيْعُ	۹۶۔ نُورُ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ	السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ	السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
۹۷۔ مَلِكُ السَّمَوَاتِ	۹۸۔ ذُو الْحَلَالِ	۹۹۔ وَالْإِكْرَامِ	

کیا خدا اللہ کا نام ہے؟

اردو اور فارسی زبان میں لفظ خدا کو اللہ تعالیٰ کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ قرآن وحدیث میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں استعمال نہیں ہوا اور ویسے بھی یہ لفظ 'فارسی' کا ہے عربی کا نہیں۔ لفظ خدا کو اللہ کے لیے استعمال کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم اسے جائز کہتے ہیں اور انہوں نے فارسی اور اردو زبان میں لفظ خدا کو بکثرت استعمال کیا ہے مگر چند ایک اہل علم نے درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر اس لفظ کے استعمال کو نامناسب قرار دیا ہے کہ

(۱)..... اول تو اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث میں بیان شدہ اسمائے حسنیٰ میں شامل نہیں۔

(۲)..... دوم اس لیے کہ مجوسی اپنے معبود کے لیے خدا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس لیے اس کا استعمال ان سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔

(۳)..... سوم اس لیے کہ خدا کا ترجمہ ہے 'خود بخود آنے والا' اور یہ ترجمہ اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کا نہیں ہے۔

(۴)..... چہارم اس لیے کہ اسے لفظ اللہ کا مترادف قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اس کا کوئی ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔

لفظ 'خدا' کے استعمال کو جائز قرار دینے والے اس کے جواز کے سلسلہ میں عموماً یہ

جواب دیتے ہیں:

(۱)..... اہل عرب اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ 'اللہ' اور لفظ 'الہ' کا استعمال شروع سے کرتے چلے آ رہے تھے اور خود قرآن مجید نے بھی ان کے اس لفظ کو برقرار رکھا۔ البتہ اللہ کے بارے میں ان کے جو نظریات غلط تھے ان کی تردید کی۔ اسی طرح لفظ خدا بھی اسی مفہوم میں استعمال کیا جاتا تھا جس میں لفظ اللہ استعمال کیا جاتا ہے، اس لیے اس لفظ کا استعمال بھی غلط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اگر لفظ خدا کے پیچھے کوئی غلط تصورات موجود ہوں تو ان کی نفی کی جانی چاہیے۔

(۲)..... مجوسی اپنے معبود کے لیے صرف لفظ خدا استعمال نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں دو معبودوں کا تصور ہے ایک نیکی اور خیر کا جسے 'خدائے بڑا' کہا جاتا ہے اور دوسرا برائی، نقصان اور شر کا جسے 'خدائے اہرمن' کہا جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اپنے معبودوں کے لیے اصل لفظ 'بڑا' اور 'اہرمن' ہے اور خدا معنی لفظ ہے۔ اس لیے لفظ خدا کے استعمال سے ان سے مشابہت پیدا نہیں ہوتی۔

(۳)..... لفظ 'خدا' کا ترجمہ ہے 'خود بخود آنے والا'..... اگرچہ صریح طور پر اس ترجمے کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم پر نہیں ہوتا مگر اس کے مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے 'الاول' کے مفہوم کے قریب ہے۔

(۴)..... لفظ اللہ، الہ (ال-ہ) سے بنا ہے اس لیے اس کا کوئی نہ کوئی ترجمہ تو ضرور ہوگا۔ اگر اس کا ترجمہ کرنا درست نہیں تو پھر بھی اس سے لفظ خدا کے استعمال پر کوئی تدرغ نہیں لگتی کیونکہ لفظ خدا لفظ اللہ کا ترجمہ نہیں بلکہ لفظ اللہ سے ایک حقیقی معبود کا جو تصور پیدا ہوتا ہے، لفظ خدا بھی اسی تصور کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح انگلش میں اللہ کے لیے لفظ (God) کا استعمال جائز ہے۔

حاصل بحث: مذکورہ بالا بحث کے بعد ہمارے سامنے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ لفظ خدا کے استعمال سے جہاں تک ہو سکے، اجتناب کیا جائے البتہ اگر اس کا استعمال کر بھی لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ اور پاک و ہند کے بیشتر اہل علم کا یہی موقف رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ان علماء کی وہ کتابیں ہیں جن میں بکثرت لفظ خدا کا استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں عرب علمائے بھی اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے بطور تائید ذیل

میں عرب علماء کا ایک فتویٰ درج کیا جاتا ہے:

سوال: میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا سوال پیش کر رہا ہوں جس پر ہمارے علماء کا اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو قیفی ہیں یعنی جو صفات قرآن و سنت سے ثابت ہیں انہیں ثابت مانا جائے اور جو ثابت نہیں ان پر خاموشی اختیار کی جائے۔ لہذا اس اصول کے پیش نظر آیا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے فارسی زبان کے لفظ خدا یا پشتو کے لفظ خدا یا انگریزی کے لفظ "God" یا سی طرح کے کسی اور لفظ کو استعمال کر سکتا ہے؟ اور آیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی ایسے لفظ کے ساتھ کرتا ہے جو قرآن و سنت میں موجود نہیں تو ایسا کرنے سے کہیں وہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی رو سے ٹھہرے (بے دین، زندیق) قرآن تو نہیں پاتا؟ ﴿وَقَرُّوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَاءِهِ مَسْجُورُونَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔ [الاعراف: ۱۸۰]

جب کہ دوسری طرف بعض علماء وہ ہیں جو اس کے جواز کے سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں لفظ جبرائیل میں 'ایل' عبرانی زبان میں لفظ 'اللہ' کے مترادف ہے اور جب اللہ کا نام عبرانی زبان میں بدلنا جائز ہے تو کسی اور زبان میں بھی یہ منع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آیا ان علماء کی یہ توجیہ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا اللہ تعالیٰ کے اسماء کا عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ترجمہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جواب دے کر مستفید فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیر!!

رج: الحمد لله وحده والصلاة والسلام على رسولہ والہ وصحبہ وبعد!
جو شخص عربی زبان کو نہیں سمجھتا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح دین سمجھانے کے لیے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرنا جائز ہے بشرطیکہ ترجمہ کرنے والا دونوں زبانوں پر عبور رکھتا ہو۔
وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء
[۱] عبداللہ بن قعود [۲] عبداللہ بن عبدیان [۳] عبدالرزاق

عفیفی (نائب رئیس اللجنة) [۴] عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (رئیس)

[فتاویٰ اللجنة الدائمة..... مرتب احمد الدرویش ج: ۳ ص: ۱۲۲ (فتویٰ رقم: ۸۱۱۵)]

باب دوم

انسان ایک تعارف

پہلی فصل: انسانی تخلیق کا آغاز اور نظریہ ارتقاء

انسان کی پیدائش کب، کیسے اور کیونکر ہوئی؟ اس سلسلہ میں اقوام عالم میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں جبکہ قرآن مجید اس بارے میں اپنا ایک خاص نقطہ نظر رکھتا ہے اور بحیثیت مسلمان وہی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اس کی تفصیلات ذکر کریں گے مگر اس سے پہلے ایک اہم نظریہ جسے ”نظریہ ارتقاء“ (Theory Of Evolution) کہا جاتا ہے، کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس نظریے نے نہ صرف یہ کہ دنیا کے بڑے بڑے غیر مسلم سائنسدانوں کو متاثر کیا بلکہ مسلم دانشوروں کا بھی ایک بڑا طبقہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ

”انسان اور دیگر حیوانات شروع ہی سے اس طرح پیدا نہیں ہوئے جیسا کہ آج کل پیدا ہوتے دکھائی دیتے ہیں بلکہ اربوں کھربوں سال پہلے سمندروں کے ساحلوں پر موجود پانی میں مختلف کیمیکل ملنے سے خود بخود کائی پیدا ہوئی، پھر اس سے نباتات کی مختلف شکلیں نمودار ہوتی چلی گئیں، پھر کروڑوں سالوں بعد انہی سے یک خلوی اور سہ خلوی جاندار پیدا ہوئے، پھر مزید کروڑوں سال بعد چھوٹے چھوٹے حیوانات و حشرات پیدا ہونے لگے، اور پھر یہی حیوانات و حشرات مزید ارتقاء کے بعد ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں اور بندروں وغیرہ کی شکل اختیار کرتے چلے گئے۔ انہی بندروں میں سے ایک قسم نے انسانی شکل اختیار کر لی اور پھر انہی بندر نما انسانوں میں لاکھوں سالوں بعد عقل و شعور کا ارتقاء ہوا اور انہوں نے غاروں اور جنگلوں میں مل جل کر رہنا شروع کر دیا۔“

محققین اس نظریہ کے قلابے زمانہ قدیم کے غیر مسلم فلاسفہ (مثلاً ارسطو وغیرہ) سے ملاتے ہیں جب کہ انیسویں صدی میں چارلس ڈارون نے Origin Of Spicies (اصل

الانواع) نامی کتاب لکھ کر اس نظریہ کو باقاعدہ شکل دی۔ چونکہ یہ نظریہ مادیت و دہریت پر مبنی تھا اس لیے مادہ پرست اور منکرین خدا قسم کے لوگوں کے ہاں یہ بڑا مقبول ہوا اور جن دلائل کے ساتھ اسے تقویت دی گئی تھی، اس سے کئی مسلمان بھی متاثر ہوئے۔ اسی طرح ماضی قریب کے مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنواؤں نے نہ صرف یہ کہ نظریہ ارتقاء جزوی ترمیم کے ساتھ قبول کر لیا بلکہ اسے عین قرآنی نظریہ ثابت کرنے کے لیے نصوص قرآنی میں جا بجا تحریفات و تاویلات کا بھی سہارا لیا۔ اس کی تفصیلات پرویز کی مختلف کتابوں (مثلاً ایلٹس و آدم، مطالب الفرقان وغیرہ) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

کچھ یہی صورتحال ان سے پہلے سرسید احمد خان، مفتی محمد عبدہ مصری وغیرہ کے ہاں بھی ملتی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد رفیع الدین بھی نظریہ ارتقاء سے سخت متاثر ہوئے اور اپنی کتاب ”قرآن اور علم جدید“ میں جدید مغربی نظریات کی تردید کرتے ہوئے نظریہ ارتقاء کی بہت سی باتوں کو عین قرآنی ثابت کرنے کی کوشش کر گزرے۔ نظریہ ارتقاء کی تائید و حمایت کرنے والے کچھ دیگر مسلم مفکرین کا بھی یہاں نام لیا جاسکتا ہے جو نظریہ ارتقاء کے اثبات کے سلسلہ میں بعض قرآنی آیات کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن آیات سے یہ استشہاد کرتے ہیں، ان سے نظریہ ارتقاء کی وہ صورت اس وقت تک متشکل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان قرآنی آیات کی دوزار کار تاویلات بلکہ معنوی تحریفات اور صحیح احادیث نبویہ کا صاف انکار نہ کر دیا جائے اور نظریہ ارتقاء کے بعض مؤیدین نے فی الواقع یہ دونوں ارتکاب کئے بھی ہیں!

نظریہ ارتقاء چونکہ عقل و وحی کی میزان میں مکمل طور پر ناکام ثابت ہو چکا ہے اور اس کے ابطال پر غیر مسلم سائنس دانوں کی تحقیقات بھی مظہر عام پر آشکی ہیں اس لیے ہم اس کی تردید و ابطال میں صفحات سیاہ کرنے کی بجائے مولانا عبدالرحمن کیلائی کی کتاب ”آئینہ پرویزیت“ (صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۸) سے عقل و مشاہدہ پر مبنی چند قوی اعتراضات ذیل میں پیش کر رہے ہیں، جن سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ نظریہ ارتقاء کیوں قابل قبول نہیں۔

نظریہ ارتقاء پر اعتراضات:

”(۱)..... نظریہ ارتقاء کے مؤیدین آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکے کہ زندگی

کی ابتداء کیسے ہوگئی؟ یعنی معلول تو موجود ہے لیکن علت کی کڑی نہیں ملتی۔ گویا اس نظریہ کی بنیاد ہی سائنسی لحاظ سے کمزور ہے۔ اس سلسلہ میں پرویز صاحب اپنی کتاب ”انسان نے کیا سوچا“ کے صفحہ ۵۵ پر رقمطراز ہیں:

”یہ تو ڈراون نے کہا تھا لیکن خود ہمارے زمانے کا ماہر ارتقاء (Simpson) زندگی کی ابتداء اور سلسلہ علت کی اولین کڑی کے متعلق لکھتا ہے: زندگی کی ابتدا کیسے ہوگئی؟ نہایت دیانتداری سے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس کا کچھ علم نہیں..... اس معرکہ کو حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے قریب پہنچا جا رہا ہے..... لیکن اس معرکہ کا آخری نقطہ (یعنی زندگی کا نقطہ آغاز) وہ ہے جو سائنس کے انکشافات کی دسترس سے باہر ہے اور شاید انسان کے حیطہ ادراک سے ہی باہر..... کائنات کے آغاز اور سلسلہ علت و معلول کی اولین کڑی کا مسئلہ لائیکل ہے اور سائنس اس تک نہیں پہنچ سکتی..... یہ اولین کڑی راز ہے اور میرا خیال ہے کہ ذہن انسانی اس راز کو کبھی نہیں پاسکے گا۔ ہم اگر چاہیں تو اپنے اپنے طریق پر اس علت اولیٰ کے حضور اپنے سر جھکا سکتے ہیں۔ لیکن اسے اپنے ادراک کے دائرے میں کبھی نہیں لاسکتے۔“

گویا نظریہ ارتقاء کے مادہ پرست قائلین کو آج تک اس کے لیے کوئی سائنسی اور حسی دلیل مہیا نہیں ہو سکی۔

(۲)..... دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ارتقاء کا کوئی ایک واقعہ بھی آج تک کسی انسان نے مشاہدہ نہیں کیا یعنی کوئی چڑیا ارتقاء کر کے مرغ بن گئی ہو یا گدھا ارتقاء کر کے گھوڑا بن گیا ہو یا لوگوں نے کسی بندر کو انسان بننے دیکھا ہو۔ یہ ہی یہ معلوم ہو سکا ہے کہ فلاں دور میں ارتقاء ہوا تھا۔ جس طرح جملہ حیوانات ابتدائے آفرینش سے تحقیق کیے گئے ہیں آج تک اسی طرح چلے آتے ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ بعض ایسی مثالیں ضرور ملتی ہیں جو نظریہ ارتقاء کو رد کرتی ہیں مثلاً ریٹم کا کیڑا جو عموماً موسم برسات میں شہوت کے چوں پر گزارا کرتا ہے، جب ساٹھ دن کا ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ سے سفید ہو جاتا ہے۔ اس کے منہ سے ایک مادہ تاروں کی شکل میں نکلتا ہے جسے یہ اپنے جسم کے گرد لپیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تار ساتھ ہی خشک ہوتے جاتے ہیں۔ ریٹم کے کیڑے کے گرد تاروں کا یہ

جال جب اخروٹ کے برابر ہو جاتا ہے تو اس کے اندر کیزر امر جاتا ہے اور اس کے سیاہ مادے سے ایک سفید تھلی بن جاتی ہے۔ جب یہ باہر نکلتی ہے تو نرم مادہ کا ملاپ ہوتا ہے پھر مادہ اٹھ دیتی ہے اور دونوں نرم مادہ مر جاتے ہیں۔ اس کیزرے کا بالخصوص اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ انسان زمانہ قدیم سے ریشم حاصل کر رہا ہے اور اس کیزرے کی داستان حیات میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی نہ ہی ارتقاء کا عمل کبھی پیش آیا۔ اسی طرح بعض کتر درجے کے بحری جانور جو ابتدائے زمانہ میں پائے جاتے تھے، آج بھی اسی شکل میں موجود ہیں۔ ان پر ارتقاء کو کوئی عمل نہیں ہوا۔ حشرات الارض کا وجود بھی نظریہ ارتقاء کی تردید کرتا ہے۔ اسی لیے بعض مفکرین ارتقاء کے منکر ہیں، اس کے بجائے تخلیق خصوصی (Special Creation) کے قائل ہیں: یعنی ہر نوع زندگی کی تخلیق بالکل الگ طور پر ہوتی ہے۔ ایک مفکر De Viaies ارتقاء کے بجائے انتقال (Mutation) کا قائل ہے جسے آج کل "فجائی ارتقاء" Emergency Evolution کا نام دیا جاتا ہے۔

(۳)..... نظریہ ارتقاء پر تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کی درمیانی کڑیاں موجود نہیں۔ مثلاً جوڑوں اور بغیر جوڑوں والے جانوروں کی درمیانی کڑی موجود نہیں۔ فقری اور غیر فقری جانوروں کی درمیانی کڑی بھی مفقود ہے۔ مچھلیوں اور ان حیوانات کی درمیانی کڑی بھی غائب ہے جو خشکی اور پانی کے جانور کہلاتے ہیں۔ اسی طرح ریگٹنے والے جانوروں اور پرندوں، اور ریگٹنے والے ممالیہ جانوروں کی درمیانی کڑیاں بھی مفقود ہیں۔ فلسفہ ارتقاء کی یہ اصل دشواری ہے جو سو سال سے زیر بحث چلی آ رہی ہے۔ بعض نظریہ ارتقاء کے قائلین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ درمیانی کڑی کا جب کام پورا ہو چکا ہے تو وہ از خود غائب ہو جاتی ہے۔ اس جواب میں جتنا وزن یا معقولیت ہے اس کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

(۴)..... چوتھا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب اس نظریہ کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پہلا انسان کمزور جسم اور ناقص العقل تھا تو اس نے شیروں اور چیتوں کے درمیان گزارہ کیسے کیا اور اس کمزوری اور بے عقلی کے باوجود تازع للبقاء میں کامیاب کیسے ہو گیا؟

(۵)..... پانچواں اعتراض بڑا وزنی ہے کہ ابتدائے زندگی سے بندر یکب شعوری ترقی دو لاکھ سال میں واقع ہوئی ہے بندر اور انسان کا درمیانی شعوری فرق اس سے بہت زیادہ

ہے جس کے لیے ارب ہا سال کی مدت درکار ہے جب کہ زمین کی عمر صرف ۱۳ ارب سال بتائی جاتی ہے، یہ ذہنی ترقی انسان میں یکدم کیونکر آگئی؟

(۶)..... ڈارون نے نظریہ ارتقاء کے لیے جو اصول بتلائے ہیں وہ مشاہدات کی رو سے صحیح ثابت نہیں ہوئے ہیں مثلاً:

۱۔ ایک اصول قانون وراثت ہے۔ ڈارون کہتا ہے کہ لوگ کچھ عرصہ تک کتوں کی دم کاٹتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتے بے دم پیدا ہونے لگے۔ جس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ عرب اور عبرانی لوگ صدیوں سے ختنہ کرواتے چلے آتے ہیں لیکن آج تک کوئی ختنوں بچہ پیدا نہیں ہوا۔

۲۔ ماحول سے ہم آہنگی پر یہ اعتراض ہے کہ انسان کے پستانوں کا بدنمداغ آج تک کیوں باقی ہے جس کی کسی دور میں بھی ضرورت پیش نہیں آئی اور انسان سے کمتر درجے کے جانوروں (نروں) میں یہ داغ موجود نہیں ہوتے تو انسان میں کیسے آگئے؟ علاوہ ازیں یہ کہ ایک ہی جغرافیائی ماحول میں رہنے والے جانوروں کے درمیان فرق کیوں ہوتا ہے؟

(۷)..... رکاز (Fossil) کی دریافت بھی نظریہ ارتقاء کو بالکل باطل قرار دیتی ہے، رکاز سے مراد انسانی کھوپڑیاں یا جانوروں کے وہ بنجر اور ہڈیاں ہیں جو زمین میں مدفون پائی جاتی ہیں۔ نظریہ ارتقاء کی رو سے کمتر درجے کے جانوروں کی ہڈیاں زمین کے زریں حصہ میں پائی جانی چاہئیں جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ایسی ہڈیاں عموماً زمین کے بالائی حصہ میں ملی ہیں۔ ارتقائی بھی یہ کہتے ہیں کہ انسان لاکھوں سال قبل جسمانی اور عقلی لحاظ سے ناقص تھا۔ بلاآخر تکمیل کی طرف آیا۔ رکاز کی دریافت اس بات کی بھی تردید کرتی ہے کیونکہ بالائی طبقوں میں جو رکاز ملے ہیں وہ غیر مکمل اور ناقص انسان کی یادگار ہیں اور زیریں طبقوں میں اعلیٰ انسانوں کے رکاز ملے ہیں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا۔

نظریہ ارتقاء اور مغربی مفکرین

یہ ہیں وہ اعتراضات جنہوں نے اس نظریہ کے انجر بنجر تک ہلا دیے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ صدی نے اس نظریہ میں استحکام کی بجائے اس کی جڑیں بھی ہلا دی ہیں۔ اب اس نظریہ کے

متعلق چند مغربی مفکرین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ایک اطالوی سائنسدان 'روزا' کہتا ہے کہ گزشتہ ساٹھ سال کے تجربات نظریہ ڈارون کو باطل قرار دے چکے ہیں۔ (اسلام اور نظریہ ارتقاء)

۲۔ ڈیوریز، ارتقاء کو باطل قرار دیتا ہے وہ اس نظریہ کے بجائے (Mutation) انتقال نوع کا قائل ہے۔ (ایضاً)

۳۔ 'ولس' (Wallace) عام ارتقاء کا قائل ہے لیکن وہ انسان کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ (ایضاً)

۴۔ 'فرخو' کہتا ہے کہ انسان اور بندر میں بہت فرق ہے اور یہ کہنا بالکل لغو ہے کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔

۵۔ 'میرٹ' کہتا ہے کہ ڈارون کے مذہب کی تائید ناممکن ہے اور اس کی رائے بچوں کی باتوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

۶۔ 'آغانیز' کہتا ہے کہ ڈارون کا مذہب سائنسی لحاظ سے بالکل غلط اور بے اصل ہے اور اس قسم کی باتوں کا علم سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ (ایضاً ص ۶۲)

۷۔ 'ہکسلے' (Huxley) کہتا ہے کہ جو دلائل ارتقاء کے لیے دیے جاتے ہیں ان سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی کہ نباتات یا حیوانات کی کوئی نوع کبھی طبعی انتخاب سے پیدا ہوتی ہو۔ (ایضاً)

۸۔ 'ٹنڈل' کہتا ہے کہ نظریہ ڈارون قطعاً ناقابل التفات ہے کیونکہ جن مقدمات پر اس نظریہ کی بنیاد ہے وہ قابل تسلیم ہی نہیں ہیں۔ [آئینہ پرویزیت (صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۸)]
نظریہ ارتقاء کی مزید تردید و ابطال کے لیے ایک ترکی صاحب علم جناب حارون بیگی کی کتاب "نظریہ ارتقاء..... ایک فریب" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

پہلے انسان یعنی حضرت آدم ﷺ کی تخلیق:

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب نوع انسان کا نام و نشان تک نہ تھا جیسا کہ سورۃ الدھر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ أُنبِئُ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٍ مِّنَ النَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّا كُوِّنًا﴾ [الدحر- ۱]

”مجھے گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا“

پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اور فرشتوں کے سامنے اس کا اظہار اس انداز سے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيٰ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة - ۳۰]

”اور جب تیرے رب نے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں“

اس پر فرشتوں نے عرض کیا:

﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

وَنُقَدِّمُ لَكَ قَالَ إِنِّيٰ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة - ۳۰]

”اے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں جو جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم ﷺ کو پیدا فرمایا۔ انہیں کس طرح پیدا کیا گیا اس کی تفصیلات ہمیں دیگر قرآنی آیات اور صحیح احادیث سے ملتی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے حضرت آدم ﷺ کا پتلا مٹی کے ساتھ بنایا اور پھر اس میں روح پھونک کر اسے زندگی بخشی۔ آئندہ طور میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت آدم ﷺ مٹی سے پیدا ہوئے

قرآن مجید کے دلائل:

قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم ﷺ کو مٹی سے پیدا کیا گیا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُونٍ﴾ [الحجر- ۲۶]

”یقیناً ہم نے انسان کو اس خشک مٹی سے پیدا کیا جو کہ مڑے ہوئے گاڑے کی تھی۔“

اس آیت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔

﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ [الاعراف- ۱۲]

” (شیطان نے کہا) کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

﴿فَسَجَدُوا لِلْإِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا﴾ [الاسراء- 61]
 ”ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اور کہنے لگا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟“

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾
 ”جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان (یعنی آدم ﷺ) کو پیدا کرنے والا ہوں۔“ [الحجر- 28]

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا﴾ [الانعام- 2]
 ”اسی ذات (خداوندی) نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر ایک وقت مہین کیا۔“

﴿وَاِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّا رِیْبَ﴾ [الصّٰفّٰت- 11]
 ”یقیناً ہم نے ان (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔“

جس طرح پہلی پانچ آیات کا سیاق و سباق یہ بتاتا ہے کہ حضرت آدم ﷺ کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے اسی طرح یہ آخر الذکر دو آیات بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے اگرچہ ان میں ضمیر کا مرجع عام انسانوں کی طرف ہے مگر اس سے مراد یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمہارے باپ آدم ﷺ جو تمہاری اصل ہیں اور جن سے تمہارا سلسلہ چلا ہے انہیں ہم نے مٹی ہی سے پیدا کیا تھا۔ اس کی مزید تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ آدم ﷺ دو حوا ﷺ کے علاوہ دیگر کسی انسانوں کی تخلیق ہمیشہ سے قطرہ آب (مادہ تولید) سے ہوتی چلی آئی ہے مٹی سے نہیں۔ علاوہ ازیں درج ذیل آیت بھی اسی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ نوع انسان کا آغاز ایک مٹی کے پتلے کی تخلیق سے ہوا اور پھر اگلی نسل کی تخلیق نطفہ سے ہونے لگی:

﴿الَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَا خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ [السجدۃ- 91 تا 97]

”جس (ذات باری تعالیٰ) نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ

مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نچوڑ سے چلائی جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت ہی تھوڑا شکر کرتے ہو۔“

احادیث کے دلائل:

درج ذیل احادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم عليه السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا:

(۱)..... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ)) [مسلم: کتاب الزہد والرقاق: باب فی احادیث متفرقة (۲۹۹۶)]

”فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم عليه السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جو تمہارے لیے (قرآن مجید میں) بیان کر دی گئی ہے۔“

(۲)..... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان الله تعالى خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الارض فجاء بنو آدم على قدر الارض فجاء منهم الاحمر والابيض والاسود وبين ذلك والسهل والحزن والنخيب والطيب)) [ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة البقرة (۲۹۵۵) امام ترمذی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: بهذا حدیث حسن صحیح شیخ البیہقی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے: صحیح ترمذی (ح ۳۱۴۳) ابو داؤد: کتاب

السنة: باب فی القدر (ح ۴۶۸۱) مسند احمد (۴۰۶/۴)]

”اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹی بھر مٹی لی اور اس سے حضرت آدم عليه السلام کو پیدا فرمایا، اسی لیے اولاد آدم عليه السلام اس مٹی کی مناسبت سے پیدا ہوئے (یعنی) سرخ بھی، سفید بھی، سیاہ بھی اور ان کے مابین (اور ملتے جلتے رنگوں میں) بھی۔ اسی طرح آسودہ حال بھی، پریشان حال بھی، خبیث بھی اور پاکیزہ بھی۔“

(۳)..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لما صور الله آدم في الجنة تركه ما شاء الله ان يتركه فجعل ابليس يطفئ به ينظر ما هو؟ فلما راه اجوف عرف انه خلق خلقا

لا یتعالمک)) [مسلم: کتاب البر والصلۃ: باب خلق الانسان خلقا لا یتعالمک (۲۶۱۱)]
 ”جب اللہ تعالیٰ نے جنت میں آدم ﷺ کی (پتلانما) صورت بنا لی تو پھر اسے حسب
 نشا اسی حالت میں چھوڑے رکھا۔ ابلیس اس (پتلے) کے پاس آیا اور اس کے ارد گرد چکر
 لگانے لگا اور دیکھنے لگا کہ یہ کیا چیز ہے؟ جب اس نے دیکھا کہ یہ درمیان سے خالی ہے تو
 فوراً پہچان گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھتی۔“
 حضرت آدم ﷺ نوے فٹ لمبے تھے!

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کا پتلانا کر اس میں روح پھونکی تو آپ کی قد
 وقامت ساٹھ (۶۰) ہاتھ یعنی نوے فٹ تھی جیسا کہ درج ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے:
 (۱)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((خلق اللہ آدم وطوله ستون ذراعا فلما خلقه قال اذهب فسلم علی
 اولئک من الملائکة فاستمع ما یحیونک تحیتک وتحیة ذریعتک
 فقال السلام علیکم فقالوا السلام علیک ورحمة اللہ ،فزادہ : ورحمة
 اللہ، فکل من یدخل الجنة علی صورة آدم فلم یزل الخلق ینقص حتی
 الآن)) [بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم وذریتہ (ح ۳۳۲۶) مسلم:

کتاب الحنة ونعيمها باب یدخل الجنة اقوام اُنفدتهم مثلافدة الطیر (ح ۲۸۴۱)]
 ”اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو پیدا کیا تو انہیں ساٹھ ہاتھ لہبایا۔ پھر جب انہیں
 پیدا فرمایا تو ان سے کہا کہ جاؤ اور فرشتوں کو سلام کرو اور دیکھنا کہ وہ تمہیں کن لفظوں میں
 سلام کا جواب دیتے ہیں کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا طریقہ سلام ہوگا۔ حضرت
 آدم ﷺ نے (جا کر) کہا: السلام علیکم ، فرشتوں نے جواب دیا: السلام
 علیک ورحمة اللہ۔ فرشتوں نے ورحمة اللہ کا جملہ بڑھا دیا۔ پس جو کوئی بھی
 جنت میں داخل ہوگا وہ آدم ﷺ کی شکل اور قد وقامت پر داخل ہوگا۔ حضرت آدم ﷺ
 کے بعد سے اب تک انسانوں کے قد مسلسل چھوٹے ہوتے رہے ہیں۔“

یعنی ساٹھ ہاتھ سے چھوٹے ہوتے ہوئے اس حد تک پہنچ گئے جس حد پر یہ امت ہے اب
 اس میں مزید کمی ہوگی یا نہیں اس کے بارے میں حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم

ہوتا ہے کہ اب قیامت تک یہی حد برقرار رہے گی اور اس میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوگی
ما سوائے کسی مستثنیٰ صورت کے۔

(۲)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خلق الله آدم على صورته طولہ مستون ذوا عا)) [بخاری: کتاب الاستئذان:

باب بدء السلام (ح ۶۲۲۷) مسلم: کتاب السنن ونعمیہا باب بدخل الحنة اقوام

أفدتهم مثلافدة الطير (ح ۲۸۴۱)]

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت ہی پر پیدا فرمایا اور (اس وقت) ان
کی لمبائی ساٹھ (۶۰) ہاتھ تھی۔“

مذکورہ روایت میں علی صورته کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کا ترجمہ مفہوم میں اہل
علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ”آدم“ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی
شکل و صورت پر پیدا فرمایا ہے۔“ حالانکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿أَنسَ كُفَيْلَهُ شَيْءًا﴾ [الشوریٰ - ۱۱] ”اس (اللہ) کے مثل کوئی نہیں“

یعنی نہ تو شکل و صورت کے اعتبار سے کوئی چیز اللہ کے مشابہ ہے اور نہ ارادہ و اختیار کی
قوت کے اعتبار سے۔ اس لیے آدم علیہ السلام کو اللہ کے مشابہ قرار دینے کا ترجمہ محل نظر ہے۔
اس کے علاوہ بھی اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں تاہم اس کا درست مفہوم یہ معلوم
ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے پورے قد و قامت کے ساتھ اسی شکل و
صورت پر پیدا فرمایا جس پر وہ ہمیشہ رہے۔ اور ان پر وہ مراحل نہیں آئے جو ہر انسان پر بچپن
سے بڑھاپے تک آتے ہیں اور نہ ہی شکل و صورت اور بدن و جسم کے اعتبار سے انہیں ان
تغییرات کا سامنا کرنا پڑا ہے جو ہر انسان کو قدرتی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ واضح رہے کہ یہی
مفہوم محدث ابن حبان نے امام ابو حاتم کے حوالے سے اپنی صحیح ابن حبان میں بیان
کیا ہے۔ [دیکھیے: صحیح ابن حبان (جلد ۸ صفحہ ۱۲۲)]

(۳)..... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان الله خلق آدم رجلا طولا كثيرا الشعر الرأس كانه نحلة مسحوق)) [قصص

الانبیاء لابن کثیر (۲۵۱۱) حاکم (۲۶۲۲) امام حاکم اور ذہبی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے]

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کھجور کے لمبے درخت کی طرح طویل قد و قامت کی

شکل کا آدمی بنا کر پیدا فرمایا اور ان کے سر کے بال بھی بہت گھنے تھے۔“

(۴)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(ان اول زمرة يدخلون الجنة.... على صورة ابهم آدم متون ذراعا في

السماء [بخاری: کتاب احادیث الانبياء: باب خلق آدم (۳۳۲۷) مستداحمد (۲/۲۳۲)]

”جنت میں سب سے پہلے جو گروہ جائے گا..... وہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت

پر ہوگا یعنی ساتھ ہاتھ لبا ہوگا۔“

(۵)..... ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لوگ جنت میں اس قدر وقامت پر داخل ہوں گے جو آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی

اور آدم علیہ السلام ساتھ ہاتھ لپے اور سات ہاتھ چوڑے تھے۔“ [مستداحمد (۲۹۰/۲)] اس

کی سند میں علی بن زید بن جدمان نامی ایک راوی ضعیف ہے]

حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے روز پیدا ہوئے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه ادخل

الجنة وفيه اخرج منها ولا تقوم الساعة الا في يوم الجمعة)) [مسلم:

کتاب الجمعة: باب فضل يوم الجمعة (ح ۸۵۴) ترمذی (ح ۴۸۸) احمد (۴۰۱/۲)]

”دنوں میں سے بہترین دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے، اسی دن

حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انہیں

جنت سے نکالا گیا اور جمعہ کے دن ہی قیامت قائم ہوگی۔“

گزشتہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ

(۱)..... حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔

(۲)..... یہ مٹی روئے ارضی کے مختلف حصوں سے اکٹھی کی گئی تھی۔

(۳)..... حضرت آدم علیہ السلام کا اس مٹی سے پتلا بنایا گیا۔

(۴)..... یہ پتلا اللہ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔

(۵)..... ایک عرصہ تک یہ خاک پتلا اسی حالت میں رہا۔ یہ عرصہ کتنا تھا اس کے بارے میں کوئی صریح روایت موجود نہیں تاہم بعض اسرائیلی روایات کے مطابق یہ عرصہ چالیس سالوں پر محیط تھا۔ واللہ اعلم!

(۶)..... حضرت آدم کا یہ پتلا ساٹھ ہاتھ (یعنی نوے فٹ) لمبا تھا۔

(۷)..... پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی اور یہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔

(۸)..... بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم ﷺ کی تخلیق جمعہ کے روز ہوئی۔

حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کی بیوی حضرت حوا کو کس طرح پیدا فرمایا؟ اس کے بارے میں قرآن و سنت میں صریح معلومات نہیں ملتیں تاہم قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حوا کی تخلیق آدم ہی سے ہوئی تھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ [النساء- ۱]

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کی بیوی (حوا) کو پیدا فرمایا (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔“

مذکورہ آیت کے یہ الفاظ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (اسی ایک جان سے اس کی بیوی کو پیدا کیا) اس بات کی صراحت تو ضرور کرتے ہیں کہ اللہ نے آدم ﷺ ہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا، تاہم یہ پیدائش کس طرح ہوئی اس کی وضاحت یہاں مذکور نہیں اور نہ ہی کسی صحیح حدیث سے اس کی وضاحت ملتی ہے۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ:

((استوصوا بالنساء فان المرأة خلقت من ضلع وان اعوج شئ في الضلع اعلاه فان ذهبت تقيمه كسرته وان تركته لم يزل اعوج فاستوصوا بالنساء)) [بخاری: کتاب احادیث الانبياء: باب خلق آدم وذرئته

(ح ۳:۳۳۱) مسلم: کتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء (ح ۵۹)]

”عورتوں کے بارے میں میری وصیت کا ہمیشہ خیال رکھنا کیونکہ عورت پہلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پہلی میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اوپر کا حصہ ہوتا ہے، تم میں سے اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو نتیجہ اسے توڑ بیٹھے گا (ایک روایت میں ہے کہ اسے توڑنے سے مراد طلاق ہے) اور اگر اسے یونہی چھوڑ دے گا تو پھر یہ ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہذا عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔“

اس حدیث کے پیش نظر مفسرین کی ایک تعداد کا یہ کہنا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی سے حوا کو پیدا کیا گیا تھا اور اس حدیث میں پہلی سے عورت کی تخلیق سے مراد تخلیق حوا ہی کی طرف اشارہ ہے۔ جبکہ بعض اہل علم اس حدیث کو حقیقت کی بجائے تشبیہ پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عورت کی طبیعت کی اس کجی کی طرف اشارہ ہے جسے بدلنا نہایت مشکل ہے۔ روایت کا سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتا ہے علاوہ ازیں اسی روایت کے دیگر طرق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً:

(۱)..... ایک روایت میں ہے: ((النساء المرأة كالضلع)) [بعماری: کتاب النکاح: باب المدارة مع النساء] ”عورت پہلی کی مثل ہے۔“

اس حدیث میں کافی تشبیہ کے لیے ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصود عورت کے کج زد ہونے کی طرف ہے۔

(۲)..... ((استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع)) [بعماری: ایضا: باب

الوصاة بالنساء (ح ۵۱۸۶)]

”عورتوں کے بارے میں میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ پہلی سے پیدا کی گئی ہیں۔“

اس روایت میں ہے کہ سبھی عورتیں پہلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر تو اسے حقیقت پر محمول کریں پھر یہ خلاف واقعہ ہے لہذا اسے مجازی و تمثیلی مفہوم پر ہی محمول کیا جائے گا۔

مولانا مودودی کی رائے:

اس سلسلہ میں مولانا مودودی نے بھی ایک اچھی رائے دی ہے چنانچہ موصوف مذکورہ محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

”اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم ﷺ کی پہلی سے حوا کو پیدا کیا گیا (ملموڈ میں اور زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کی دائیں جانب کی تیر ہویں پہلی سے پیدا کیا گیا تھا۔) لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔“ [تفہیم القرآن: جلد ۱ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰]

راجع موقف:

حضرت حوا کی تخلیق اور عورت کے پہلی سے پیدا کئے جانے والی روایات کے حوالہ سے اہل علم کے مختلف نقطہ ہائے نظر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اس سلسلہ میں مجھے جو رائے زیادہ متوازن اور نصوص سے قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حوا کو آدم کی پہلی ہی سے پیدا کیا گیا تھا۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام اور دیگر ائمہ سلف سے بھی یہ بات منقول ہے۔ باقی رہا عورت کے پہلی سے پیدا کئے جانے والی روایات کی توجیہ کا مسئلہ تو ان میں نمائندگی صورت بھی اپنی جگہ پر موجود ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت حوا کے حوالے سے ان احادیث کو حقیقت پر اور دیگر عورتوں کے حوالے سے انہیں مجاز پر محمول کیا جائے گا کیونکہ دیگر عورتیں تو پہلی سے پیدا نہیں ہوئیں۔

اس توجیہ کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو روئے ارضی کے مختلف حصوں کی مٹی سے پیدا فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اولاد بھی زمین کے ان مختلف حصوں کی نرمی و سختی وغیرہ سے متاثر ہوئی۔ اب ان احادیث میں بھی حقیقت و مجاز کے دونوں پہلو موجود ہیں یعنی حضرت آدم کے لیے تو یہ امر حقیقت پر مبنی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا جب کہ اولاد آدم کے لیے یہ مجاز ہے اور وہ اس طرح کہ مٹی کی سختی و نرمی کو ان کے مزاج کی سختی و نرمی سے تعبیر کر دیا گیا۔ واللہ اعلم!

دوسری فصل:

انسانوں کی تخلیق اور ان سے عہد و پیمان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ اور حضرت حوا علیہا السلام کی تخلیق کس طرح فرمائی، اس کی ضروری تفصیلات گزشتہ سطور میں بیان ہو چکی ہیں۔ اب آئندہ سطور میں ہم یہ واضح کریں گے کہ تا قیامت آنے والی نسل آدم کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے جاری فرمایا۔ تاہم اس سے پہلے چند ایک صحیح احادیث کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے مطابق خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے قیامت تک آنے والی ساری نسل انسانی پیدا فرمائی اور ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ گویا انہیں ان کا مقصد تخلیق بتانے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔

نسلی انسانی کی تخلیق اور الست برکم کا عہد و پیمان

﴿وَإِذَا أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ سَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾ [الاعراف-۱۷۲]

”اور جب آپ کے رب نے آدم ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں! ہم سب گواہ بنتے ہیں۔ (یہ اقرار اس لیے لیا) تاکہ تم لوگ قیامت کے روزیوں نہ کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔“

اس آیت کی تفسیر مختلف اہل علم نے مختلف انداز میں کی ہے تاہم اس کی جو تفسیر قرآن کے ظاہری الفاظ کی تائید کرتی ہے وہ بعض احادیث میں اس طرح موجود ہے:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا اور آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ

((ان اللہ خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية لقال خلقت هؤلاء للجنة ويعمل اهل الجنة)) [موطا (۸۹۸/۲) - حملہ (۴۴۱/۱) حاکم (۲۷/۱) ابن حبان (۶۱۶۶) ابو داؤد: کتاب السنة: باب فی سورة الاعراف (۴۷۰۳) شیخ

البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا۔ دیکھیے: مشکاة بتحقیق الثانی (۹۶)]

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ﷺ کو پیدا فرمایا پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنتیوں والے کام کریں گے۔ پھر کچھ اولاد نکالی اور فرمایا کہ انہیں میں نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جہنمیوں والے کام کریں گے۔ اس پر ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ پھر کوئی عمل کرنے کی کیا ضرورت؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو جنت کے لیے پیدا فرمائیں تو پھر اس سے وہی عمل کرواتے ہیں جو جنتیوں والے عمل ہوں حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ فوت ہو کر جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ جہنم کے لیے پیدا فرماتے ہیں تو اس سے وہی عمل کرواتے ہیں جو اہل جہنم کے ہوں اور وہ اہل جہنم کے عمل ہی پر مرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈال دیتے ہیں“

(۲)..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ

”عرفہ کے روز نعمان نامی مقام (جو عرفہ کے پاس واقع ہے) پر اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کی اولاد سے یشاق لیا وہ اس طرح کہ آدم ﷺ کی پشت سے ان کی اولاد ظاہر فرمائی اور انہیں اپنے سامنے پھیلا دیا۔ پھر ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا رب نہیں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں، ہم سب یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رب ہیں۔“

[مسند احمد (۲۷۲/۱) مستدرک حاکم (۵۴۴/۲) امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے دیکھیے: السلسلۃ الصحیحہ (۲۳) ۱] اس کے

دیگر شواہد کے لیے دیکھیے: مجمع الزوائد (۱۸۸، ۱۸۶/۷)

(۳)..... حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جب پیدا فرمایا تو ان کے دائیں کندھے پر ضرب لگائی

اور سفید اولاد نکالی (وہ اس طرح تھی کہ) گویا چوٹیاں ہوں پھر بائیں کندھے پر ضرب لگائی اور سیاہ اولاد نکالی۔ گویا کہ وہ کونٹے ہیں۔ دائیں کندھے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں پھر بائیں کندھے والوں کے لیے فرمایا کہ یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔ [مسند احمد (۴/۱۶۶) شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے السلسلۃ الصحیحہ (۴۹)]

کیا یہ عہد صرف روحوں سے لیا گیا تھا؟

ہمارے ہاں یہ بات معروف ہے کہ مذکورہ بالا روایات میں اولاد آدم کے جس عہد کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان کے بدنوں سے نہیں بلکہ روحوں سے لیا گیا تھا لیکن یہ نقطہ نظر درست معلوم نہیں ہوتا۔ اول تو اس لیے کہ جن صحیح احادیث میں اس وعدے کی تفصیلات کا ذکر ہے ان میں سے کسی ایک میں بھی 'ارواح' کا تذکرہ نہیں ملتا بلکہ ذریت، اور اولاد کا تذکرہ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں ان احادیث کے سیاق و سباق سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اولاد آدم کے اجسام (یعنی بدن اور روح) سے یہ خطاب ہوا اور ان سب نے اللہ کی ربوبیت والوہیت کا اقرار کیا۔ اس کے علاوہ اسی نوعیت کی درج ذیل ایک اور حدیث سے بھی ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ بھرا جس کے نتیجے میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے قیامت تک پیدا ہونے والی ہر جان (نسمہ) باہر نکل آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر انسان کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک پیدا فرمائی پھر انہیں آدم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت آدم کہنے لگے: یا رب یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد ہے۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) نور نے انہیں بہت متاثر کیا تو حضرت آدم کہنے لگے: یا رب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد میں سے آنے والی آخری امتوں میں سے ایک آدمی ہے اور اس کا نام داؤد ہے۔ آدم فرمانے لگے کہ یا رب تو نے اس کی عمر

کتنی مقرر فرمائی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔ آدمؑ فرمانے لگے: یا رب میری عمر میں سے بھی چالیس سال اسے عطا کر دیجیے۔ جب حضرت آدمؑ کی عمر پوری ہو گئی اور ان کے پاس ملک الموت تشریف لائے تو آدمؑ ان سے کہنے لگے: کیا ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ اس پر موت کے فرشتے نے ان سے عرض کی: کیا آپ نے وہ چالیس سال اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دیئے تھے؟ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے انکار کر دیا اور اس کی اولاد بھی (یعنی تمام بنی آدم اسی وجہ سے) انکاری بنی اور حضرت آدمؑ بھول گئے (کہ میں نے یہ عمر داؤد کو ہیہ کر دی تھی) اور اولاد آدمؑ بھی (اسی وجہ سے) بھول چوک میں مبتلا ہوئی اور آدمؑ نے غلطی کی، اسی وجہ سے اس کی اولاد بھی خطا کرنے والی ہوئی۔ [ترمذی: کتاب التفسیر: باب ومن سورة الاعراف (۳۰۷۶) ابن حبان (۶۱۶۷) حاکم (۶۴۱۱-۵۸۲/۲-۲۶۳/۴) امام حاکم اور ذہبی نے

اسے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز دیکھیے صحیح الترمذی للالبانی (۲۴۵۹)]
امام قرطبی سورة اعراف کی آیت ۷۲ کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ

”بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدمؑ کو ایک دوسرے سے پیدا فرمایا ہے..... اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسموں کو پیدا کرنے سے پہلے روحوں کو پیدا کیا تھا (جن سے یہ معاہدہ لیا) پھر موصوف فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ ان دونوں اقوال کے علاوہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ((والہ تعالیٰ اخرج الاشباح فیہا الارواح من ظہر آدم علیہ السلام)) ”اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے بدن نکالے جن میں روحوں بھی موجود تھیں“

کیا یہ عہد مجازی اور تمثیلی تھا؟

بعض اہل علم کے بقول یہ سارا واقعہ مجازی اور تمثیلی نوعیت کا تھا اور حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں تھا مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ بالا صریح روایات اس کے حقیقی پہلو اور عملی صورت کو نمایاں کر رہی ہیں جبکہ اسے مجازی (تمثیلی) (Allegorical) قرار دینے کا نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ قرینہ۔ امام شوکانی سورة اعراف کی

مذکورہ آیت (۱۷۲) کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

((والمعنى ان الله سبحانه لما خلق آدم مسح ظهره فاستخرج منه ذريته واخذ عليهم العهد وهؤلاء هم عالم الكفر وهذا هو الحق الذي لا ينفى العدول عنه ولا المصير الى غيره لثبوته مرفوعا الى النبي وموقوفا على غيره من الصحابة ولا ملجئى للمصير الى المجاز))

”اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیر اور ان سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے عہد لیا اور یہی عالم ذر کہلاتا ہے۔ (پھر موصوف فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کی یہی تفسیر صحیح اور حق ہے جس سے عدول ممکن نہیں اور اس کے علاوہ اس کا کوئی اور مفہوم درست نہیں کیونکہ یہی تفسیر مرفوعاً نبی اکرم ﷺ اور موقوفاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور اسے مجاز پر محمول کرنا بھی درست نہیں ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ

”اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ دراصل قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں بیوست ہے اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک واقعہ تھا جو عالم خارجی میں پیش آیا۔ لیکن ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اسے بالکل ایک واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز نبی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس ازلی عہد و اقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اسے محض ایک تمثیلی بیان قرار دیں۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع ان تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، بیک وقت زندگی اور شعور اور گویائی عطا کر کے اپنے سامنے حاضر کیا تھا، اور فی الواقع انہیں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا کوئی رب اور کوئی اللہ

اس کی ذات اقدس واعلیٰ کے سوانہیں ہے، اور ان کے لیے کوئی صحیح طریق زندگی اس کی بندگی و فرماں برداری (اسلام) کے سوانہیں ہے۔ اس اجتماع کو اگر کوئی شخص بعیدا زمانہ سمجھتا ہے تو یہ محض اس کے دائرہ فکر کی تنگی کا نتیجہ ہے، ورنہ حقیقت میں تو نسل انسانی کی موجودہ تدریجی پیدائش جتنی قریب از مکان ہے اتنا ہی ازل میں ان کا مجموعی ظہور، اور ابد میں ان کا مجموعی حشر و نشر بھی از مکان ہے۔ پھر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جسمی صاحب عقل و شعور اور صاحب تصرف و اختیارات مخلوق کو زمین پر بحیثیت خلیفہ مامور کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہی بخشے اور اس سے اپنی وفاداری کا اقرار (Oath of allgiance) لے۔ اس معاملہ کا پیش آنا قابل تعجب نہیں، البتہ یہ پیش نہ آتا تو ضرور قابل تعجب ہوتا“ [تفسیر ’تفہیم القرآن‘

جلد ۲۔ صفحہ ۹۶، ۹۷]

ہمیں یہ عہد کیوں یاد نہیں؟

مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ ازلی بیثاق فی الواقع عمل میں آیا بھی تھا تو کیا اس کی یاد ہمارے شعور اور حافظہ میں محفوظ ہے؟ کیا ہم میں سے کوئی شخص بھی یہ جانتا ہے کہ آغاز آفرینش میں وہ اپنے خدا کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور اس سے الست ہوہکم کا سوال ہوا تھا اور اس نے بلسی کہا تھا؟ اگر نہیں تو پھر اس اقرار کو جس کی یاد ہمارے شعور و حافظہ سے محو ہو چکی ہے ہمارے خلاف حجت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس بیثاق کا نقش انسان کے شعور اور حافظہ میں تازہ رہنے دیا جاتا تو انسان کا دنیا کی موجودہ امتحان گاہ میں بھیجا جانا سر سے سے فضول ہو جاتا کیونکہ اس کے بعد تو اس آزمائش و امتحان کے کوئی معنی ہی باقی نہ رہ جاتے۔ لہذا اس نقش کو شعور و حافظہ میں تو تازہ نہیں رکھا گیا، لیکن وہ تحت اشعور (Sub-conscious mind) اور وجدان (Intuition) میں یقیناً محفوظ ہے۔ اس کا حال وہی ہے جو ہمارے تمام دوسرے تحت اشعوری اور وجدانی علوم کا حال

ہے۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق و معاملات کے تمام شعبوں میں انسان سے آج تک جو کچھ بھی ظہور میں آیا ہے وہ سب درحقیقت انسان کے اندر بالقوۃ (Potentially) موجود تھا۔ خارجی محرکات اور داخلی تحریکات نے مل جل کر اگر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ جو کچھ بالقوۃ تھا اسے بالفعل کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی تعلیم، کوئی تربیت، کوئی ماحولی تاثر اور کوئی داخلی تحریک انسان کے اندر کوئی چیز بھی، جو اس کے اندر بالقوۃ موجود نہ ہو، ہرگز پیدا نہیں کر سکتی۔ اور اسی طرح یہ سب موثرات اگر اپنا تمام زور بھی صرف کر دیں تو ان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ان چیزوں میں سے جو انسان کے اندر بالقوۃ موجود ہیں، کسی چیز کو قطعی محو کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کر سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ اسے اصل فطرت سے منحرف (Pervert) کر دیں۔ لیکن وہ چیز تمام تحریفات و تسبیحات کے باوجود اندر موجود رہے گی، ظہور میں آنے کے لیے زور لگاتی رہے گی، اور خارجی ایبل کا جواب دینے کے لیے مستعد رہے گی، یہ معاملہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا، ہمارے تمام تحت الشعوری اور وجدانی علوم کے ساتھ عام ہے۔ وہ سب ہمارے اندر بالقوۃ موجود ہیں اور ان کے موجود ہونے کا یقینی ثبوت ان چیزوں سے ہمیں ملتا ہے جو بالفعل ہم سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان سب کے ظہور میں آنے کے لیے خارجی تذکیر (یاد دہانی)، تعلیم و تربیت، اور تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے، اور جو کچھ ہم سے ظاہر ہوتا ہے وہ گویا درحقیقت خارجی ایبل کا وہ جواب ہے جو ہمارے اندر کی بالقوۃ موجودات کی طرف سے ملتا ہے۔

ان سب کو اندر کی غلط خواہشات اور باہر کی غلط تاثرات دبا کر، پردہ ڈال کر، منحرف اور مسخ کر کے کا لہم کر سکتی ہیں مگر بالکل معدوم نہیں کر سکتیں، اور اسی لیے اندرونی احساس اور بیرونی سہمی دونوں سے اصلاح اور تبدیلی (Conversion) ممکن ہوتی ہے۔ ٹھیک ٹھیک یہی کیفیت اس وجدانی علم کی بھی ہے جو ہمیں کائنات میں اپنی حقیقی حیثیت اور خالق کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں حاصل ہے۔

اس کے موجود ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر دور میں، زمین کے ہر خطے میں، ہر بستی، ہر پشت اور ہر نسل میں ابھرتا رہا ہے اور کبھی دنیا کی کوئی طاقت اسے

محو کر دینے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے مطابق حقیقت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی وہ ابھر کر بافضل ہماری زندگی میں کار فرما ہوا ہے اس نے صالح اور مفید نتائج ہی پیدا کیے ہیں۔ اس کو ابھرنے اور ظہور میں آنے اور عملی صورت اختیار کرنے کے لیے ایک خارجی اجیل کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی اور ان کی پیروی کرنے والے داعیان حق سب کے سب یہی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اسی لیے ان کو قرآن میں مذکور (یا دولانے والے) ذکر (یا د) تذکرہ (یا دداشت) اور ان کے کام کو تذکیر (یا دہانی) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء اور کتائیں اور داعیان حق انسان کے اندر کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ اسی چیز کو ابھارتے اور تازہ کرتے ہیں جو ان کے اندر پہلے سے موجود تھی۔ نفس انسانی کی طرف سے ہر زمانہ میں اس تذکیر کا جواب بصورت بلیک ملتا اس بات کا مزید ایک ثبوت ہے کہ اندر فی الواقع کوئی علم چھپا ہوا تھا جو اپنے پکارنے والے کی آواز پہچان کر جواب دینے کے لیے ابھر آیا۔ پھر اسے جہالت اور جاہلیت اور خواہشات نفس اور تعصبات اور شیاطین جن وانس کی گمراہ کن تعلیمات و ترفیحات نے ہمیشہ دہانے اور چھپانے اور منحرف کرنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے جس کے نتیجے میں شرک، دہریت، الحاد، زندقہ اور اخلاقی و عملی فساد رونما ہوتا رہا ہے۔ لیکن ضلالت کی ان ساری طاقتوں کے متحدہ عمل کے باوجود اس علم کا پیدا ہونے کا نفس انسان کی لوح دل پر کسی نہ کسی حد تک موجود رہا ہے اور اسی لیے تذکیر و تجدید کی کوششیں اسے ابھارنے میں کامیاب ہوتی رہی ہیں۔ بلاشبہ دنیا کی موجود زندگی میں جو لوگ حق اور حقیقت کے انکار پر مصر ہیں وہ اپنی حجت بازیوں سے اس پیدا ہونے والے نفس کے وجود کا انکار کر سکتے ہیں یا کم از کم اسے مشتبہ ثابت کر سکتے ہیں لیکن جس روز یوم الحساب برپا ہوگا اس روز ان کا خالق ان کے شعور و حافظہ میں روز ازل کے اس اجتماع کی یاد تازہ کر دے گا جبکہ انہوں نے اس کو اپنا واحد و احد و احد رب تسلیم کیا تھا۔ پھر وہ اس بات کا ثبوت بھی ان کے اپنے نفس ہی سے فراہم کر دے گا کہ اس حقیق کا نفس ان کے نفس میں پراہر موجود رہا اور یہ بھی وہ ان کی اپنی زندگی ہی کے ریکارڈ سے علیٰ روضہ الاشیاد

دکھا دے گا کہ انہوں نے کس کس طرح اس نقش کو دبا دیا، کب کب اور کن کن موقعوں پر ان کے قلب سے تصدیق کی آوازیں اٹھیں، اپنی اور اپنے گرد و پیش کی گمراہیوں پر ان کے وجدان نے کہاں کہاں اور کس کس وقت صدائے انکار بلند کی، داعیانِ حق کی دعوت کا جواب دینے کے لیے ان کے اندر چھپا ہوا علم کتنی کتنی مرتبہ اور کس کس جگہ ابھرنے پر آمادہ ہوا اور پھر وہ اپنے تعصبات اور اپنی خواہشات نفس کی بنا پر کیسے کیسے حیلوں اور بہانوں سے اس کو فریب دیتے اور خاموش کر دیتے رہے، وہ وقت جبکہ یہ سارے راز فاش ہوں گے حجت باز یوں کا نہ ہوگا بلکہ صاف صاف اقرار جرم کا ہوگا۔ اسی لیے قرآن مجید کہتا ہے کہ اس وقت مجرمین یہ نہیں کہیں گے کہ ہم جاہل تھے یا غافل تھے، بلکہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ہم کافر تھے، یعنی ہم نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا۔ **و شہلوا علی انفسہم الہم کالوا کافرین (الانعام: ۱۳۰)** [تفہیم

القرآن: ج ۲ ص ۹۷ تا ۹۹]

انسانوں کی تخلیق کے مراحل

حضرت آدم و حوا کی پیدائش خرق عادت امور سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ ان کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ طریقہ اختیار نہیں فرمایا جو دیگر انسانوں کی تخلیق کے لیے مقرر فرما دیا ہے۔ دیگر انسانوں کی تخلیق کی صورت یہ ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے مردانہ مادہ تولید (Sperm نطفہ) عورت کے رحم میں اس کے مادہ تولید (بیضہ انجلی Egg) سے ملتا ہے اور اللہ کے حکم سے اسے بار آور کرتا ہے۔ پھر یہ بار آور خلیہ رحم مادر میں پرورش پاتا ہے اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے یعنی نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضعہ اور اس سے پھر انسانی بیج کی شکل و صورت اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے۔ پھر یہ بیج نشوونما پاتے ہوئے بھرپور جمانی حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد بڑھاپے کا سفر کرتا ہے اور بالآخر اپنی زندگی پوری کرنے کے آخرت کا سفر شروع کر دیتا ہے۔ یہ تو ہیں انسانی تخلیق کے وہ مختلف مراحل جن میں ارتقا و تدریج کی ایک خاص شکل پائی جاتی ہے اور یہی شکل ہمارے مشاہدہ میں رہتی ہے جبکہ قرآن مجید بھی اسی شکل اور انہی ارتقائی مراحل کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ

انسان نباتات سے حشرات اور حشرات سے حیوانات کے کسی ارتقائی سفر کے بعد بندروں سے ہوتے ہوئے انسان بنا ہے تو اس کی اس سوچ اور نظریہ کی نہ قرآن و سنت تائید کرتے ہیں اور نہ مشاہدہ و تجربہ! قرآن و سنت اس سلسلہ میں جو معلومات مہیا کرتے ہیں ان کا حاصل گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے اب ہم ان سے متعلقہ دلائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔

انسان نطفہ (مادہ) سے پیدا ہوتا ہے اس کے بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ

﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ إِذَا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ [یس: ۷۷]

”کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے ایک نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر وہ صریح جھگڑالوین بیٹھا!“

پھر جب مردوزن کے نطفوں کا ملاپ ہوتا ہے تو اس سے زائیکوٹ بنتا ہے جسے درج ذیل آیت میں اَمْشَاج کہا گیا ہے:

﴿وَالْأَخْلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ لَبِيلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [الدمر: ۲]

”بے شک ہم نے انسان کو (مردوزن کے) طے جلتے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اسے ہم نے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے۔“

پھر رحم مادر میں بھی نطفہ جن ارتقائی و تدریجی مراحل کو طے کرتا ہے اس کے بارے میں یوں اشارہ فرمایا گیا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ

فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ﴾ [المومنون: ۱۳، ۱۴]

”پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا، پھر نطفے کو ہم نے جما ہوا خون بنا

دیا پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں

پیدا کر دیں، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا

کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔“



اللہ اور انسان کے باہمی تعلقات کی بنیادیں

کتاب کے پہلے باب میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور دوسرے باب میں انسان کے بارے میں ضروری باتوں سے واقفیت حاصل کر لی ہے، اب اس باب میں ہم اللہ اور انسان کے باہمی تعلق کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

اللہ اور انسان کا سب سے پہلا تعلق خالق اور مخلوق کا ہے یعنی یہ تعلق کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس پر اپنا ہر طرح کا انعام و اکرام فرمایا ہے۔ دوسرا تعلق عابد اور معبود کا ہے یعنی یہ کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی مکمل طور پر بندگی اور فرمانبرداری کرے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرے جن کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ تیسرا تعلق غنی اور محتاج کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کمزور اور محتاج ہے اور ہر لمحہ اپنے خالق کے تعاون کا محتاج ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ وہ اپنی کمزوری اور محتاجی کے مداوا کے لیے اپنے خالق ہی کا سہارا لے۔

اللہ اور انسان کے درمیان تعلقات کی یہی وہ بنیادیں ہیں جنہیں قرآن مجید نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ توحید و شرک کی ساری بحثیں اسی کے گرد گردش کرتی ہیں۔ اس لیے آئندہ صفحات میں ہم ان تینوں طرح کے تعلقات پر قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں گفتگو کریں گے اور توحید و شرک کی حقیقت واضح کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے تعصبات سے بالاتر ہو کر توحید و شرک کا مسئلہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



پہلی فصل

پہلا تعلق..... خالق اور مخلوق کا!

اللہ تعالیٰ نے ہم سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اس لیے ہم اللہ کی مخلوق اور اللہ ہمارے خالق ہیں۔ خالق ہی نہیں بلکہ ہمارے حقیقی رازق و مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ جسے جتنا چاہیں مال و دولت، ذمہ داری و مسائل اور انعام و اکرام سے نوازدیں، جسے چاہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیں اور تنگی و مصیبت میں مبتلا کر دیں، جسے چاہیں صحت، طاقت اور خوشحالی سے نوازدیں اور جسے چاہیں مرض اور وہاں میں مبتلا کر دیں۔ جس طرح ہماری موت و حیات اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی طرح ہماری تقدیر بھی اسی کے دائرہ اختیار میں ہے۔ وہی مختار کل ہے، وہی قادر مطلق ہے، وہی مشکل کشا ہے، وہی حاجت روا ہے، وہی بگڑی بنانے والا ہے، وہی مشکل سنوارنے والا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، اسی کے پاس سارے خزانے ہیں، اسی کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں، اسی کے اشارے سے ہارشیں برستی ہیں، اور اسی کے امر سے شمس و قمر طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔

اس کے حکم کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، اس کے تصرف میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا، اس کے قہر و غضب کا کوئی سامنا نہیں کر سکتا، اس کے رحم و کرم کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، اس کے انعامات کا کوئی شکر ادا نہیں کر سکتا، اس کی عبادت کا کوئی حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ پکڑنے پر آئے تو کوئی چھڑا نہیں سکتا، وہ مارنے پر آئے تو کوئی بچا نہیں سکتا، وہ غرق آب کرنے پر آئے تو کوئی نکال نہیں سکتا، وہ عذاب دینے پر آئے تو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ سزا دینے پر آئے تو کوئی روک نہیں سکتا۔

اس کی رحمت کا دریا بے کنار ہے، اس کے غم کو کا سمندر ٹھاٹھے مار رہا ہے، اس کی بخشش ہر دم جاری ہے، وہ اپنے فرمانبرداروں کو پسند کرتا ہے اور نافرمانوں سے ناراض ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اللہ کو سمجھا نہیں، اس کے بارے میں جانتا نہیں، اس کی کتاب

کو پڑھا نہیں، اس کی کتاب قرآن مجید میں شاید ہمارے جیسے ناگھروں اور اپنے خالق سے بددستی اختیار کرنے والوں ہی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے:

﴿وَمَا قَلَدُوا اللَّهَ حَتَّىٰ قَلَدُوهُ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ [الزمر-۶۷]

”انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچانا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی۔ ساری زمین قیامت کے دن اس کی ٹٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک بتاتے ہیں۔“
آئیے! آئندہ سطور میں ہم اللہ کی کتاب قرآن مجید کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ ہمارا خالق، مالک اور رازق کس طرح ہے۔

سب کچھ ایک اللہ ہی نے پیدا کیا ہے:

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ [الزمر-۶۲]

”اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وہی ہر چیز کا محافظ ہے۔“

﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَهُ الْيَتَامَىٰ وَهُوَ الْغَنِيُّ
وَهُوَ الْغَنِيُّ رَبُّكَ فِي الْمَلِكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَلِيلًا يَّعْدِلُهَا وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ
إِلَهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾ [الفرقان-۳۷]

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی اللہ کے لیے ہے اور وہ کوئی اولاد نہیں رکھتا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی اس کا حصہ دار ہے، اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا۔ ان لوگوں نے اللہ کے سوا جو اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان و نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔“

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَّا
وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الدُّكُورَ﴾ [الشوری-۴۹]

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہے بیٹے دیتا ہے۔“
﴿وَاللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ [الانعام- ۱۰۲]

”یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب! اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے پس تم اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کار ساز ہے۔“

﴿اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَالنَّوْلَ مِنَ السَّمٰوٰتِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ذٰلِیْنَ اَنْتُمْ بِالْبَيْتِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَاَنْتُمْ مِّنْ كُلِّ مَآسَاَلٍ مَُّمُوۡةٌ وَّاِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوۡهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوۡمٌ كَفٰرٌ﴾ [ابراہیم- ۳۲، ۳۴]

”اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمانوں سے بارش برسا کر اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے ہیں اور کشتیوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے کہ دریاؤں میں اس کے حکم سے چلیں پھریں۔ اسی نے نمیاں اور نہریں تمہارے اختیار میں کر دی ہیں، اسی نے تمہارے لیے سورج چاند کو مسخر کر دیا ہے کہ برابر ہی چل رہے ہیں، اور رات دن کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی نا انصاف اور ناشکر ہے۔“

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَىٰ اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيۡرٌ﴾ [النور- ۴۵]

”تمام کے تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں بعض دو پاؤں پر چلتے اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

﴿هُوَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ [النحل- ۵]

”اسی نے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے گرمی کے لباس ہیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور وہ تمہارے کھانے کے کام آتے ہیں۔“

ہم انسانوں کو بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [البقرة- ۲۱]

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔“

﴿وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبَلَةَ الْأُولِينَ﴾ [الشعراء- ۱۸۴]

”اس اللہ کا خوف کھاؤ جس نے خود تمہیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔“

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمٍ مَسْنُونٍ وَالْجِبَانَ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلِ مِنْ نَارِ السُّمُومِ﴾ [الحجر- ۲۶، ۲۷]

”یقیناً ہم نے انسان کو خشک مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گاڑے کی تھی پیدا فرمایا ہے اور اس سے پہلے جنات کو ہم نے لوہا کی آگ سے پیدا کیا۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ [الحجرات- ۱۳]

”اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔“

﴿أَوْ لَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانَ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾ [مریم- ۶۷]

”کیا یہ انسان اتنا بھی یاد نہیں رکھتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔“

﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانَ إِذَا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾ [يس- ۷۷]

”کیا انسان کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر کیا ایک وہ صریح جھگڑا لو بن بیٹھا۔“

﴿قُلِ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَكْفَرَهُ﴾

”اللہ کی مار انسان پر! یہ کیسا ناشکرا ہے، اسے اللہ نے کس چیز سے پیدا کیا؟

(اسے) ایک نطفہ سے (پیدا کیا) پھر اندازہ پر رکھا اس کو۔“ [عبس- ۱۸، ۱۹]

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوِّكَ

فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ﴾ [الانفطار- ۸۶ تا ۸۷]

”اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا؟ جس (رب) نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک کیا، پھر (درست اور) برابر بنایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔“

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ

قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾

”کہہ دیجئے کہ وہی (اللہ) ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان آنکھیں اور دل

بنائے، تم بہت ہی کم شکرگزار ہی کرتے ہو، کہہ دیجئے کہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین

میں پھیلادیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔“ [الملک- ۲۳، ۲۴]

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ

نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ

السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ [السجدة- ۹۰، ۹۱]

”جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی بناوٹ مٹی سے شروع کی،

پھر اس کی نسل ایک بے وقعت پانی کے نمچڑ سے چلائی، جسے ٹھیک ٹھاک کر کے اس

میں اپنی روح پھونکی، اسی نے تمہارے کان آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم

بہت تھوڑا احسان مانتے ہو۔“

ہمارا رازق اور داتا بھی اللہ ہی ہے

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ﴾ [الذاریات- ۵۸]

”بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کا روزی رساں، توانائی والا اور زور آور ہے۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيْبِكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾ [الروم- ۴۰]

”اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر روزی دی پھر مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا۔“

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ

صُورَتَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الْعَالَمِينَ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ فَتَبَرَّكُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

”اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنا دیا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں، اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے، پس بہت ہی برکتوں والا ہے سارے جہان کا پرورش کرنے والا۔“ [المومن - ۶۴]

تمام جانداروں کا رزق اسی اللہ کے ذمہ ہے

﴿وَمَا مِنْ ذَاتِ نَفْسٍ لَّيْئٍ اَلْاَرْضِ اِلَّا عَلٰى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [ہود - ۶]

”زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے بھی جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں۔“
﴿وَكَايْنٍ مِّنْ ذَاتِ نَفْسٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [العنکبوت - ۶۰]

”اور بہت ہی جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے ان سب کو اور تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے، وہ بڑا ہی سننے اور جاننے والا ہے۔“

رزق اللہ دے گا ڈرو نہیں!.....!

﴿وَلَا تَقْتُلُواْ اَوْلَادَكُمْ غَشِيَةٌ عَلَيْهِمْ اِذْ هُمْ نَرُزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ﴾ [الاسراء: ۳۱]
”مغلسی کے ڈر سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو، ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں۔“
﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ﴾ [سبا - ۲۴]
”پوچھیے کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی کون دیتا ہے؟ (خود) جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ“

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لّٰهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾
”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھکارے کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے
اسکی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔“ [الطلاق - ۳۰، ۲]

وہ جسے جتنا چاہے رزق عطا کرے!

﴿اللّٰهُ يَسُطُّ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ يَقْدِرُ لَهٗ﴾ [العنکبوت: ۶۲]
”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے فراخ روزی دیتا ہے اور جسے چاہے تنگ۔“

﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ [النحل - ۷۰]

”اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں زیادتی دے رکھی ہے“

﴿وَنَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ [الزحرف - ۳۲]

”ہم نے ہی ان کی زندگی دنیا کی روزی ان میں تقسیم کی ہے اور ایک کو دوسرے سے بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو ماتحت کر لے۔“

﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرِزْقِيْنَ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خِزْيَانُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُومٍ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَكُمْوَهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ﴾ [الحجر - ۲۰، ۲۲]

”اور اسی میں ہم نے تمہاری روزیاں بنا دی ہیں اور (ان کی بھی) جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان سب کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر چیز کو اس کے مقررہ اندازے سے اتارتے ہیں، اور ہم بھیجتے ہیں جو حمل ہوا میں پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ تمہیں پلاتے ہیں اور تم اس کے ذخیرہ کرنے والے نہیں ہو۔“

سارے خزانے اسی کے پاس ہیں

﴿الْمَسْئُورُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْ قَانًا وَتَخْلُقُونَ أَفْكَانًا الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [العنكبوت - ۱۷]

”تم تو اللہ کے سوا بتوں کی پوجا پاٹ کر رہے ہو اور جھوٹی باتیں دل سے گھڑ لیتے ہو، سنو! جن جن کی تم اللہ کے سوا پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ تو تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں تمہیں چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی سے روزیاں طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کی شکر گزاری کرو، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

مذہب و منتظم بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿تَبْرَكَ الَّذِي يَبْدِيهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [الملك - ۱۷]

”بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور جو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“

﴿لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾
 ”آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ہیں جس کی چاہے روزی کشادہ کر دے اور (جس کی چاہے) تنگ کر دے۔“ [الشوریٰ- ۱۲]

عالم الغیب بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا زَكَاةٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ [الانعام- ۵۹]

”اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں کرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانا زمین کے تاریک حصوں میں نہیں اور نہ کوئی خشک اور تر چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔“

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَآءَاءَ اللَّهِ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَأَسْكَنْتُ مِنْ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِي السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ [الاعراف- ۱۸۸]

”آپ فرمادیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔“

قادر مطلق بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿وَلِلَّهِ مَالِي السَّمَوَاتِ وَمَالِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ قَدِيرًا﴾
 ”اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز

ہے، اگر اسے منظور ہو تو اسے لوگو! وہ تم سب کو مٹا دے اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“ [النساء: ۱۳۲، ۱۳۳]

عزیز کل اور مالک الملک (شہنشاہ) بھی اللہ تعالیٰ ہے

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

”آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو مجھے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو مجھے چاہے عزت دے اور مجھے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے تو ہی ہے کہ جسے

چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے“ [آل عمران: ۲۶، ۲۷]

حاکم اعلیٰ بھی اللہ ہے

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُفِجِرَ جَزَاءً مِّنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا﴾ [فاطر: ۴۴]

”اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اسے ہر ادے نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے۔“

نفع اور نقصان بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

﴿وَإِن يُمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَ لِفِعْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

”اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی خیر پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ

اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے ٹھہار کر دے اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے۔“ [یونس - ۱۰۷]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَآتَيْنَا عِشِيرَتَكَ الْآفَرِينَ﴾ ”(اے محمد ﷺ!) آپ اپنے رشتہ داروں کو (اللہ تعالیٰ کے عذاب اور یوم قیامت سے) ڈراؤ“..... تو آپ نے فرمایا:

اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو بچالو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عبدمناف کے بیٹو! اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! (اب دنیا میں) میرے مال سے جو چاہو مانگ لو (لیکن قیامت کے روز) اللہ کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔“ [بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله تعالى: وَاَنْفِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ]

زندگی اور موت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَانًا فَاَخْبَاكُمْ ثُمَّ يُبَيِّنْكُمْ ثُمَّ يُخَيِّرْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [البقرة: ۲۸]

”تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مار ڈالے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاوے گا۔“

﴿وَاِنَّهُ هُوَ اَمَاتٌ وَاَحْيَا﴾ [النجم - ۴۴]

”اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے۔“

﴿وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ﴾ [الحجر - ۲۳]

”ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (بالآخر) وارث ہیں۔“

﴿هُوَ الَّذِي يُخَيِّرُ وَيُمِيتُ فَاِذَا الْقَضَىٰ اَمْرًا اَلَانَمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

”وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے، پھر جب وہ کسی کام کا کرنا مقرر کرتا ہے تو

اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔“ [المومن - ۶۸]

﴿قَالَ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾
 ”آپ کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں مار ڈالتا ہے پھر وہ تمہیں قیامت
 کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“ [الحاثیہ: ۲۶]

اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ
 وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ
 عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا وَاعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
 حَكِيمٌ﴾ [البقرة - ۲۶۰]

”اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا، تو مردوں کو
 کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو
 ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی، فرمایا چار پرندے لو، ان کے کٹڑے
 کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو، وہ تمہارے پاس
 دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔“

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَذِهِ
 اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا
 أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ
 يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ
 كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمَنَّ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ
 شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [البقرة - ۲۵۹]

”یا اس شخص کے مانند کہ جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اور غمی پڑی ہوئی
 تھی، وہ کہنے لگا اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟ تو اللہ
 تعالیٰ نے سو سال کے لیے اسے مار دیا، پھر اسے اٹھایا، پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟
 کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا بلکہ تو سو سال تک ایسے رہا ہے، پھر اب تو

اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بناتے ہیں۔ تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب یہ سب ظاہر ہو چکا تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

صحت اور شفا بھی اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے

﴿الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ﴾ [الشعراء: ۸۲، ۷۸]

”جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہبری فرماتا ہے اور وہی مجھے مار ڈالے گا پھر زندہ کر دے گا اور جس سے میری امید بندھی ہوئی ہے کہ وہ روز جزا میں میرے گناہوں کو بخش دے گا۔“

اولاد دینا یا نہ دینا بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاءً وَيُهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ الْيُنثَىٰ وَجُهْدًا وَكُرْهًا وَإِنَّا وَجُعَلٌ مِّنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ [الشورى: ۵۰، ۴۹]

”آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے۔ یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹا بھی اور بیٹیاں بھی۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔“

قسمت کا مالک بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَلْبَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ۲)

”اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا۔“

﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدْرًا مُّقَدَّرًا﴾ (الاحزاب: ۳۸)

”اور اللہ تعالیٰ کے کام اندازے پر مقرر کیے ہوئے ہیں۔“

اب مجھے کام کی توفیق بھی اللہ ہی دینے والا ہے

﴿إِنَّ أَرِيدَ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ
وَالِيهِ أُنِيبُ﴾ [هود - ۸۸]

”میرا ارادہ تو اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔“

ہدایت دینا بھی صرف اللہ کے اختیار میں ہے

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [القصاص - ۵۶]

”آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔
ہدایت پاتے والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔“

مشرکین مکہ اور موجودہ کلمہ گو مسلمان !.....!

آئندہ سطور میں مشرکین مکہ کے حوالے سے بعض وہ اعمال ذکر کیے جا رہے ہیں جن کے ارتکاب کی وجہ سے انہیں شرک کہا گیا۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے کئی ایک مسلمان بھی آج انہی جیسے کاموں کا ارتکاب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حقائق کو سنجیدگی سے پڑھیے اور سوچیے کہ کہیں ہم بھی معاذ اللہ ان لوگوں کی صف میں شامل تو نہیں!
مشرکین مکہ بھی اللہ کو خالق، مالک اور رازق تسلیم کرتے تھے

﴿وَالَّذِينَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [لقمان - ۲۵]

”اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمان اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو یہ ضرور جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ، تو کہہ دیجیے کہ سب تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَنْ خَلَقَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ... وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَأَهُم بِالْأَرْضِ مِنْ تَحْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ اللَّهُ عَلِيمٌ ذَكِيٌّ لَيُنْفَعِلُونَ ﴿[العنكبوت: ۶۱، ۶۲]

”اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج و چاند کو کام میں لگانے والا کون ہے؟ تو ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ، پھر کدھر اٹنے جا رہے ہیں..... اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمان سے پانی اتار کر زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کس نے کیا؟ تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے، آپ کہہ دیجئے کہ ہر تعریف اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے، بلکہ ان میں سے اکثر بے عمل ہیں۔“

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْفَرَائِغُ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَافِرَاتُ بَطْنِهِ أَوْ أَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ قُلِ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿[الزمر: ۳۸]

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے۔ آپ ان سے کہیے کہ اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کے نقصان کو ہٹا سکتے ہیں؟ یا اللہ مجھ پر مہربانی کا ارادہ کرے تو کیا یہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ مجھے کافی ہے، تو کل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔“

﴿قُلِ لَمَسَ الْأَرْضَ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلِ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّنِيعِ رَبُّ الْمَرْحِ الْغَاطِبِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلِ أَفَلَا تَتَّقُونَ قُلِ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيزُ وَلَا يُجَارَ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلِ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ بَلِ اتَّخَذُوا بِالْحَقِّ وَالنَّهْمِ لَكَافِرُونَ ﴿[المؤمنون - ۸۳، ۸۶]

”پوچھئے تو سہی کہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ تلاؤ اگر جاننے ہو؟ فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم ہیجرت کیوں نہیں حاصل

کرتے۔ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت با عظمت عرش کا رب کون ہے؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلا دو؟ یہ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟ حق یہ ہے کہ ہم نے انہیں حق پہنچا دیا ہے اور یہ بے شک جموئے ہیں۔“

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَغْلِبُكَ السَّمْعُ وَالْأَبْصَارُ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَعْقُونَ فَلْيَلْمُوا اللَّهَ رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ﴾ [یونس۔ ۳۱، ۳۲]

”آپ کہہ دیجئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ”اللہ“ تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے! سو یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی رب ہے پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے، پھر کہاں پھر جاتے ہو؟“

پھر انہیں کا فر مشرک کیوں کہا گیا؟

اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رازق و داتا تسلیم کرنے کے باوجود مشرکین مکہ کو کافر و مشرک اس لیے کہا گیا کہ وہ یا تو اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات (عقیدہ آخرت، عقیدہ رسالت، ایمان بالقرآن وغیرہ) سے انکار کرتے تھے اور یہ ان کا کفر تھا اور یا وہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور حقوق میں دوسروں کو بھی کسی نہ کسی پہلو سے شریک بناتے تھے مثلاً وہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف کی قوت اور مافوق الاسباب اختیارات عطا کر رکھے ہیں۔ یہ بات کئی ایک

دلائل سے ثابت ہے۔ بغرض اختصار صحیح مسلم کی ایک روایت ذکر کی جاتی ہے:
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے: لبيك لاشريك لك الا شريكاهو لك

تملكه ومملك [مسلم: کتاب الحج: باب التلبية (ح ۱۱۸۵)]

”اے اللہ! ہم حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، البتہ ایک شریک ہے اور وہ (شریک) بھی تیرے لیے (خالص) ہے۔ تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات کا بھی تو ہی مالک ہے۔“ (یعنی حقیقی مالک تو ہے اور اس کے اختیارات عطا کی ہیں) مشرکین مکہ جن شرکیہ امور کا ارتکاب کرتے تھے، افسوس کہ آج کے بعض کلمہ گو مسلمان بھی جہالت، لاعلمی اور دنیاوی مفادات کے پیش نظر ان کے مرتکب بنے ہوئے ہیں۔ تو حید و شرک چونکہ بنیادی و اعتقادی مسائل سے ہے اور اسی پر ہر انسان کی نجات کا دارومدار ہے اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مشرکین مکہ کے ان دیگر اعمال کو بھی قرآن مجید کی روشنی میں واضح کر دیا جائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ”شرک“ قرار دیا ہے۔ اور اس کے باوجود اگر کوئی شخص کلمہ تو حید کا زبان سے اقرار کرنے کے بعد مشرکین مکہ کے انہی شرکیہ اعمال کا مرتکب ٹھہرتا ہے تو اسے خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اس کے کلمہ تو حید کا اسے کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں!؟

غیر اللہ کی عبادت (تعظیم و محبت اور خوف کی وجہ سے)

مشرکین مکہ کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ وہ فرشتوں، جنوں اور بعض نیک لوگوں مثلاً نبیوں اور ولیوں وغیرہ کی عبادت کیا کرتے تھے، فرشتوں اور نیک لوگوں کی عبادت تو ان سے محبت کی وجہ سے کی جاتی یا اس لیے کی جاتی کہ یہ اللہ سے ہماری سفارش کر کے ہمیں بچالیں گے۔ مشرکین مکہ کا یہ تصور انہی کی زبانی قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ لَآءِ

شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ فَلْيَتَّبِعُوا اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿[یونس - ۱۸]

”اور یہ لوگ اللہ (واحد کو) چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں! وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔“

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ مشرکین مکہ اپنے بنائے ہوئے بتوں کو مخلوق کا رب اور کائنات کا خالق و مالک سمجھتے تھے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ تک رسائی اور تقرب کا ذریعہ (وسیلہ) اور اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ اور وہ ایسا کیوں سمجھتے تھے؟ اس کی وجہ یا تو ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات میں تصرف کے کچھ اختیارات دے رکھے ہیں اور یا پھر ان کا دوسرا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے بغیر ہماری دعائیں اور درخواستیں اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہو سکتیں۔ جب کہ جنات کی عبادت ان کے خوف کی وجہ سے کی جاتی تھی کیونکہ مشرکین مکہ جنات سے ڈرتے تھے اور انہیں راضی کرنے کے لیے ان کی پناہ مانگتے، ان کے لیے قربانی دیتے اور اسی طرح کے بعض اور ایسے اعمال بجالاتے جو عبادت میں شامل ہیں۔ اس کی تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

مشرکین صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے.....!

مذکورہ بالا آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ صرف بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ نبیوں، ولیوں، فرشتوں، جنوں وغیرہ جیسی ذوی روح ہستیوں کی بھی وہ عبادت کرتے تھے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے بھی تھے تو وہ بھی محض اس لیے نہیں کرتے تھے کہ یہ قیمتی پتھر اور نقیص لکڑی کے بت ہیں بلکہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ عظیم لوگوں کی شبیہیں ہیں اور ان کے آگے رکوع و سجدہ یا ان کے لیے نذر و نیاز دینے کا مقصد بھی یہ نہیں ہوتا تھا کہ ہم پتھروں اور بے جان چیزوں کے لیے یہ سب کچھ کر رہے ہیں بلکہ ان اعمال کو اس نیت سے بجالاتا جاتا تھا کہ جن عظیم لوگوں کے یہ بت بنائے گئے ہیں ان کی روحیں ہم سے خوش ہو جائیں گی اور وہ روحیں ہماری دنیوی و اخروی مشکلات کو آسان کر دیں گی مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ تمہاری پکارتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں بلکہ

قیامت کے روز وہ تمہارے ان کاموں سے برأت و بیزاری کا اظہار کریں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید ہے:

﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يُعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ اللَّهُ فَيَقُولُ لَأَنْتُمْ أَضَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا لَقَدْ كَلَبُوكُمْ بِمَقْتُولُونَ فَمَا تَسْتَغِيحُونَ صِرَافًا وَلَا تَضْرَأُونَ﴾ [الفرقان۔ ۱۷، ۱۹]

”اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں، اور سوائے اللہ کے جنہیں یہ پوجتے رہے، انہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا یا یہ خود ہی راہ سے گم ہو گئے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ تو پاک ذات ہے خود ہمیں یہ زیب نہ تھا کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے۔ بات یہ ہے کہ تو نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو آسودہ گمراہ عطا فرمائیں یہاں تک کہ وہ فصیح بھلا بیٹھے، یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ پس انہوں نے تو تمہیں تمہاری باتوں میں جھٹلایا، اب نہ تو تم میں عذابوں کے پھیرنے کی طاقت ہے، نہ مدد کرنے کی۔“

مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے بعض نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات دے

رکھے ہیں.....!

مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو مافوق الاسباب اختیارات سے نوازا رکھا ہے۔ نیک لوگ چاہیں تو گنہگاروں کو نجات، مظلوموں کو مدد دیتے ہیں اور خیر پہنچا سکتے ہیں اور اگر وہ چاہیں تو نافرمانوں کو عذاب اور نقصان سے بھی دوچار کر سکتے ہیں۔ مشرکین مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ نیک لوگ خواہ زندہ ہوں یا فوت ہو جائیں وہ ہر لمحہ اور ہر جگہ جس کی چاہیں مدد کے لیے آسکتے ہیں اور اگر انہیں جنگوں، صحراؤں، ریگستانوں، دریاؤں اور مشکلات و مصائب میں پکارا جائے تو وہ پکارنے والوں کی پکار کو سنتے اور ان کی مدد کرنے کی پوری طاقت و اختیار رکھتے ہیں۔

مشرکین مکہ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ یہ سارے اختیارات کا مالک تو اللہ ہی ہے مگر اللہ کے ان نیک بندوں کو پکارنے کا خود اللہ نے حکم دیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ

باقی سب کو چھوٹا سمجھتے تھے اور زیادہ سخت مشکلات میں ان چھوٹے معبودوں اور نیک بندوں کو پکارنے کی بجائے سب سے بڑے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے۔

قرآن مجید نے مشرکین کے ان تمام عقائد و نظریات کی صاف صاف تردید فرمائی اور یہ واضح کر دیا کہ مافوق الاسباب اختیارات سارے کے سارے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ نیک لوگ اپنی زندگی میں بھی مافوق الاسباب اختیار نہیں رکھتے تو مرنے کے بعد انہیں یہ اختیار کیسے حاصل ہو سکتے ہیں؟ بلکہ فرمایا کہ یہ نیک لوگ تو خود مشکلات کا شکار ہوتے رہے اور برے وقت میں اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی یہی کہا کرتے تھے کہ تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں صرف اسی کو پکارو، اسی سے دعا و فریاد کرو، اسی کے لیے نذر و نیا د دو اور اسی کے لیے رکوع و سجدہ کرو۔ آئیے! ان سب باتوں کا مطالعہ قرآن مجید کی روشنی میں کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے عقائد کی تردید

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلِ افْتَخَلْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ أَنْفُسِهِمْ نَفَعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقِ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [الرعد: ۱۶]

”ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہو اللہ۔ پھر ان سے کہو کہ جب حقیقت یہ ہے تو کیا تم نے اس کے سوا ایسے لوگوں کو کارساز بنا لیا ہے جو خود اپنے لیے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟ کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریکیاں اور روشنی یکساں ہوتی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں تو کیا ان کے مقرر کردہ شریکوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب ہے۔“

﴿قُلِ اتَّعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [المائدہ- ۷۶]

”ان سے کہو کیا تم اللہ کے علاوہ ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ ہی نفع کا۔ حالانکہ یہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ﴾
 ”وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔“ [الاعراف-۱۹۷]

﴿إِن شِرْكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ﴾ [الاعراف-۱۹۱، ۱۹۲]
 ”کیا ایسے لوگوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں جو نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔“

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ [الرعد-۱۴]

”اسی کو پکارنا برحق ہے اور وہ لوگ جو اس کے علاوہ کو پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، انہیں پکارنا تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس سے درخواست کرے کہ تو میرے منہ تک پہنچ جا، حالانکہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں۔ بس اسی طرح کافروں کی دعائیں بھی کچھ نہیں ہیں۔“

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ [النحل-۲۰، ۲۱]

”اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔“

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَخْوِيلًا﴾ [الاسراء-۵۶]

”ان سے کہو پکارو ان لوگوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ گمان کرتے ہو، وہ کسی تکلیف کو تم سے نہ ہٹا سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں۔“

﴿وَالتَّخَذُوا مِنْ دُونِ الْهِتَةِ لَأَبْخَلُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾ [الفرقان ۳]

”اور لوگوں نے اللہ کے علاوہ ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں اور نہ زندہ کر سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔“

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ مِنْ شَرِكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مَنْ ظَهِيرٌ﴾ [سبا- ۲۲]

”ان سے کہو پکارو اپنے ان معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے علاوہ اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو! وہ نہ آسمانوں میں سے کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ملکیت میں شریک بھی نہیں اور ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے۔“

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ [النحل- ۷۳]

”اور وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں و زمین میں سے کچھ بھی رزق نہیں دے سکتے اور نہ ہی انہیں اس کام کی استطاعت ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا سَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ [فاطر- ۱۳، ۱۴]

”اور وہ ہستیاں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں نہیں سن سکتے اور اگر سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبر دینے والے (اللہ) کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔“

﴿قُلْ آرَاءَ يُتْمَمُ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ

لَهُمْ شُرَكَاءٌ فِي السَّمَوَاتِ يَتُوْنِي بِكُتُبٍ مِّن قَبْلِ هَذَا أَوْ آخِرَةً مِّنْ عِلْمٍ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَفْلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿الاحقاف- ٦٤ تا ٦٤﴾

”اے نبی (ﷺ) ان سے کہو! کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارتے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔“

مشرکین مکہ سخت جنگی میں صرف اللہ کو پکارتے تھے!

یہ عجیب بات ہے کہ مشرکین مکہ عام حالات میں تو اپنے بتوں وغیرہ کو اپنی مدد کے لیے پکارتے مگر جب کسی شدید مشکل میں گرفتار ہوتے تو اس وقت سارے بتوں اور معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو پکارنا شروع کر دیتے۔ اور اس سوچ کے ساتھ اللہ کو پکارتے کہ اب اللہ کے علاوہ اور کوئی اس مشکل سے بچا نہیں سکتا! چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ﴾ [الانعام- ٤٠، ٤١]

”ان سے کہو ذرا غور کر کے بتاؤ اگر کبھی تم پر اللہ کی طرف سے کوئی مصیبت آ جاتی ہے یا آخری گھڑی آپہنچتی ہے تو کیا اس وقت تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارتے ہو؟ بولو اگر تم سچے ہو! اس وقت تم اللہ ہی کو پکارتے ہو پھر اگر وہ چاہتا ہے تو اس مصیبت کو تم سے نال دیتا ہے ایسے موقعوں پر تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھول جاتے ہو۔“

﴿قُلْ مَنْ يُنَجِّبِكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَاكُمْ مِنْ هَذِهِ لَنَكُونُنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّبِكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْكِرُونَ﴾ [الانعام- ۶۳، ۶۴]

”اے نبی (ﷺ) ان سے پوچھو صحرا، اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے نجات دیتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت و مشکل میں) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟ کہو اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو!“

﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَسْتَهْمٍ إِذَالَهُمْ مَكْرَهِي أَيْبَانَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا مَكْرُونُ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَ تَهَارِيحٌ عَاصِيفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونُنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَاهُمْ يَبْغُونِ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾

”لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت کے بعد جب ہم ان کو رحمت کا حزا دکھاتے ہیں تو فوراً وہ ہماری نشانوں کے معاملہ میں چالبازیاں شروع کر دیتے ہیں۔ ان سے کہو اللہ اپنی تدبیر میں تم سے زیادہ تیز ہے، اس کے فرشتے تمہاری سب مکاریوں کو قلم بند کر لیتے ہیں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحان و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے ہیں اس وقت سب اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے نجات دی تو ہم شکر گزار بندے بن جائیں گے مگر جب اللہ نجات دیتا ہے تو پھر وہی حق سے منحرف ہو کر بغاوت کرنے لگتے ہیں۔“ [یونس- ۲۱، ۲۳]

﴿فَإِذَا رَأَوْا سِوَاهِ الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى

الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ [العنكبوت۔ ۶۵]

”جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے عبادت کو خالص کر کے اسے پکارتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکا یک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔“

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کا واقعہ

جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے کفار مکہ کی عام معافی کا اعلان فرما دیا مگر چند ایک خطرناک مجرموں کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”یہ جہاں کہیں بھی نظر آئیں انہیں قتل کر دیا جائے خواہ یہ بیت اللہ کے غلاف ہی میں کیوں نہ لپٹے ہوئے ملیں“ انہی میں سے ایک ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ عکرمہ نے اپنی جان بچانے کے لیے حبشہ کا رخ کیا اور سمندر پار کرنے کے لیے ایک کشتی پر سوار ہو گیا۔ اتفاق سے سمندر میں طوفان آ گیا اور قریب تھا کہ کشتی ڈوب جاتی، چنانچہ تمام کشتی والوں نے ایک دوسرے سے کہا:

﴿أَخْلِصُوا إِلَيْنَا الْإِسْلَامَ لِنُنَجِّيكَمْ لَاتُنْفِي عَنْكُمْ هَهْنَا شَيْئًا﴾

”صرف ایک اللہ کو اب نجات کے لیے پکارو کیونکہ تمہارے دوسرے معبود یہاں کچھ کام نہیں دے سکتے“ یہ سن کر عکرمہ نے کہا:

((وَاللَّهِ لَئِن لَّمْ يَنْجِنِي مِنَ الْبَحْرِ إِلَّا أُوخِلَاصُ لَا يَنْجِنِي فِي الْبَرِّ غَيْرُهُ
اَللّٰهُمَّ اِنَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدًا اِنْ اَنْتَ عَاقِبْتَنِي مِمَّا اَنَا فِيْهِ اَنْ اَتِيَّ مُحَمَّدًا
حَتّٰى اَضَعَّ يَدِيْ فِيْ يَدِهِ فَلَا جِدَّةَ نُوْا كَرِيْمًا فَبَجَاءَ فَاَسْلَمَ))

”اللہ کی قسم! اگر اس سمندر میں صرف ایک اللہ کو پکارنے سے نجات مل سکتی ہے تو پھر خشکی پر بھی ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ یا اللہ! میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں اگر تو نے مجھے اس طوفان سے نجات دے دی تو میں محمد ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں گا اور مجھے امید ہے کہ محمد ﷺ ضرور غنودرگزر فرمائیں گے۔ (راوی کہتا ہے) چنانچہ پھر عکرمہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ [نسائی کتاب المحاربة: باب المحکم فی المرتد (۴۰۷۲) نیز دیکھئے

تفسیر ابن کثیر: بتذیل سورة العنكبوت آیت (۶۵)]

دوسری فصل

دوسرا تعلق..... عابد اور معبود کا!

اللہ اور انسان کا دوسرا باہمی تعلق عباد اور معبود کا ہے یعنی انسان عبد (بندہ، غلام) ہے اور اللہ اس کے مالک (معبود) ہیں۔ ہم نے عبد اور معبود کی بجائے عابد اور معبود اس لیے لکھا ہے کہ انسان عبد (غلام) ہونے کے بعد اس بات کا ذمہ دار ہے کہ وہ اللہ کی غلامی (عبادت) کرے اور غلامی کرنا ہی اس کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو انسان کے خالق و مالک اور رازق و داتا ہیں، وہی یہ حق رکھتے ہیں کہ تمام انسان اس کی عبادت کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کے آگے سر جھکائیں، اسی سے دعا و فریاد کریں، اسی سے مدد طلب کریں، اسی کے لیے نذر و نیازدیں، جس طرح غلام کا کام اپنے آقا کی اطاعت ہے اسی طرح انسان کا کام اپنے خالق و مالک کی عبادت ہے کیونکہ انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذريات - ۵۶]

”میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں“ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو چونکہ اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالذِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ
الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔ اور جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی، خبردار! باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔“ [البقرة: ۲۱، ۲۲]

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان، جنات اور فرشتے تینوں طرح کی مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم عدولی کا اختیار نہیں دیا اس لیے وہ ہر آن اللہ کی عبادت و اطاعت میں مصروف رہتے ہیں اور کسی لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی و حکم عدولی کا مرتکب نہیں ہوتے۔ [اس کی تفصیلات کے لیے ہماری کتاب انسان اور فہوشے کا مطالعہ مفید رہے گا] جبکہ جنات اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی میں اس حد تک اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو نیکی و بھلائی کی راہ اختیار کر لیں اور چاہیں تو بدی اور گناہ کا راستہ چن لیں۔ مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی انہیں متنبہ کر دیا ہے کہ اگر وہ نیکی کی راہ اختیار کریں گے تو روز محشر انہیں اس کا اچھا صلہ یعنی جنت دی جائے گی اور اگر وہ بدی کی راہ اختیار کریں گے تو اس کی بری جزا کے طور پر انہیں جہنم کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

عبادت کیا ہے؟

یہ بات تو قرآن مجید کی روشنی میں واضح ہو گئی کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور اگر کوئی شخص انسان کا مقصد تخلیق عبادت خداوندی کے سوا کچھ اور بیان کرتا ہے تو اس کی بات بلاشک و شبہ قرآن مجید کی صریح تعلیمات کے خلاف ٹھہرے گی۔ باقی رہی یہ بات کہ 'عبادت' کیا ہے تو اس کی تفصیلات ہم آئندہ سطور میں بیان کرتے ہیں:

عبادت..... عربی زبان کا لفظ ہے جس کی اصل عبد (ع۔ب۔د) ہے۔ عبادت کا معنی ہے اہتمام درجہ کی عاجزی، انکساری، تابعداری و فرمانبرداری اور غلامی، جبکہ عبد کا معنی ہے بندہ اور غلام۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس لیے اسے عابد اور اللہ کو معبود کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک لفظ عبودیت ہے، اس کا معنی و مفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو لفظ عبادت کا ہے۔ امام راغب اصفہانی اپنی شہرہ آفاق کتاب مفردات المکرر میں رقم طراز ہیں کہ

”العبودية کے معنی ہیں کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا مگر العبادة کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کہ معنوی اعتبار سے العبادة کا لفظ العبودية سے زیادہ بلیغ ہے لہذا عبادت کی مستحق

بھی وہی ذات ہو سکتی ہے جو بے حد صاحبِ افضال و انعام ہو اور ایسی ذات صرف ذاتِ الہی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿لَا تَسْبُدُوا إِلَّا يَأۡهۡٔ﴾ (۷۱-۳۳) ”کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“ [”مفردات القرآن“ مترجم ج ۲، ص ۶۶۲، ۶۶۳]

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی یہ ہے کہ بندہ (عبدالانسان) اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی آقا و مالک تسلیم کرتے ہوئے اس کی اس طرح غلامی و فرمانبرداری کرے جس طرح کہ اس کی غلامی و فرمانبرداری کرنے کا حق ہے۔ یہ حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے یا اس حق کی ادائیگی کے کیا لوازمات ہو سکتے ہیں اس کے لیے عہدِ نبوی کے عرب معاشرہ کے آقا و غلام کے تعلق کو سامنے لایا جائے تو اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دور میں غلام یہ سمجھا کرتا تھا کہ میرا آقا چونکہ میری زندگی، موت، رزق، رہائش اور دیگر وسائل و ضروریات کا مالک ہے، چاہے تو مجھے اچھے طریقے سے رکھے اور چاہے تو ظلم کرے یا بیچ ڈالے، اس لیے مجھے اپنے آقا ہی کو خوش رکھنا ہے، اسی کی فرمانبرداری کرنا ہے، جب تک اس کے پاس میری قسمت ہے تب تک اسی کا وقار رہنا ہے، ہر آن اسی کی خدمت بجالانا ہے اور اس کی مرضی و منشا کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرنا، حد درجہ اس کا ادب و احترام کرنا ہے اور اس کی تعظیم و تقدیس کے منافی نہ کوئی قدم اٹھانا ہے نہ زبان سے کوئی ایسی بات کہنی ہے جو اس کے شایانِ شان نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی بات برداشت کرنا ہے جو میرے آقا کی عظمت کو مجروح کرے۔

اس پس منظر میں جب ہم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا حکم دیا ہے تو اس سے عبادت و بندگی کا یہی مفہوم سامنے آتا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے سپرد کیا جائے، اسی کا حکم واجب الاجاب سمجھا جائے اور ہر حکم پر اس کے حکم کو ترجیح دی جائے۔ نہ اس کی حکم عدولی کی جائے اور نہ اس کی نافرمانی کو برداشت کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں اوقات میں میرے لیے نماز (رکوع و سجود) ادا کرو تو نماز ادا کی جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاں ایام میں میرے لیے روزے رکھو تو ان ایام میں روزے رکھے جائیں۔ اگر اس کا حکم ہو کہ فلاح حالات میں میرے دشمنوں کے خلاف جہاد کرو تو جہاد کیا جائے۔ اگر اس کا حکم ہو کہ بیچ بولو جھوٹ نہ

بولو، انصاف کرو بے انصافی نہ کرو، پورا تو لو کسی نہ کرو، عدل کرو ظلم نہ کرو، نیکی کرو بدی نہ کرو..... تو اس کا حکم سمجھتے ہوئے ایسا ہی کیا جائے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے امر و حکم، اس کے ادب و احترام اور اس کے مقام و مرتبہ کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کیا جائے یہی اس کی عبادت ہے۔ گویا عبادت صرف چند ظاہری اعمال ہی کا نام نہیں اور نہ ہی عبادت کا یہ مطلب ہے کہ دن کے بعض لمحے، زندگی کے بعض گوشے اور معاملات کے بعض حصے اللہ کے حکم کے پابند یا عادی بنالے جائیں بلکہ عبادت کا دائرہ پوری زندگی کو محیط ہے اور انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔

ہمارا چلنا پھرنا، ہمارا کھانا پینا، ہمارا سونا جاگنا، ہمارا گفتگو کرنا، ہمارا تجارت کرنا اور روزی کمانا، لوگوں سے ملنا جلنا، محبت کرنا یا نفرت رکھنا یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہو سکتا ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام کی روشنی میں انہیں بجالایا جائے اور یہ سب کچھ اللہ کی بعادت و سرکشی کے دفتر میں لکھا جاسکتا ہے جبکہ انہیں اس کے حکم سے بے پروا ہو کر کیا جائے۔

انسان کی زندگی کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حکم کا پابند یعنی اللہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہوئے اس کا عابد (عبادت گزار) بن جائے اور اس کی عبادت و اطاعت سے کسی لمحہ بھی غافل نہ رہے۔ جو انسان اس راہ میں کامیاب ہو جاتا ہے اور خواہش نفس، مال و دولت، جموئی امانیت، ریا کاری و شہرت، قوم و برادری کی محبت وغیرہ جیسی رکاوٹوں کو عبور کر لیتا ہے وہی شخص فی الحقیقت مسلمان ہے ورنہ کسی گورے یا کالے کا زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور اسلامی نام رکھ لینا قطعاً اس بات کی دلیل نہیں کہ اس نے اپنا مقصد تخلیق پالیا ہے اور اب وہ قیامت کے روز جنت کا مستحق بن کر اٹھے گا!

عبادت کیسے کی جائے؟

یہ دو باتیں تو واضح ہو چکیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور عبادت اللہ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اب ہم یہ واضح کریں گے کہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری (عبادت) کیسے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنے احکام و فرامین سے مطلع کرنے کے لیے انسانوں ہی میں سے کچھ پاکباز ہستیوں کا انتخاب کیا جنہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے اور ان کے پاس

کبھی براہ راست اور کبھی بالواسطہ، کبھی فرشتے کے ذریعے اور کبھی بغیر فرشتے کے اپنا پیغام بھیجا جسے 'وحی' کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ تک جاری رہا۔ ان تمام انبیاء و رسل کی یہی دعوت رہی کہ لوگو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ تمہارا خالق و مالک وہی رب ہے اس لیے عبادت و اطاعت کا حق بھی اسی کے لیے ہے۔ انبیاء و رسل کی یہ بنیادی اور اصولی دعوت ہر دور میں اور ہر قوم میں برابر جاری رہی جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ﴾ [النحل- ۳۶]

”ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس نے یہ دعوت دی کہ لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں (طاغوت) سے بچو۔ پس بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہو گئی۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا إِلَهُهُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ [الانبیاء- ۲۵]

”تمہ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔“

اور اسی کو اللہ نے اپنا قانون بنا کر دنیا میں جاری کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَهُهُ﴾ [الاسراء- ۲۳]

”تمہارا رب یہ حکم کر چکا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو“

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت و اطاعت سے متعلقہ جو احکام انبیاء و رسل پر اتارے ہیں انہیں 'شریعت' کہا جاتا ہے اور اس شریعت کی پابندی 'عبادت' ہے جبکہ یہ ایمان و یقین کہ ہمارا معبود حقیقی، حاکم مطلق اور آقا و فرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کے آگے ہم نے سر خم تسلیم کرنا ہے، 'دین' کہلاتا ہے۔ اس لحاظ سے دین ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تمام انبیاء و رسل اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے آئے اور اپنے مخاطبین کو یہ کہتے رہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اس کے سوا عبادت و اطاعت کا اور کوئی مجاز نہیں۔ انبیاء کی یہ دعوت دعوتِ دین کہلاتی ہے اور اسے قبول کرنا ایمان کہلاتا ہے۔

اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کیسے کی جائے اس کے لیے انبیاء و رسول اللہ کے حکم (وحی) سے ایک لائحہ عمل (قانون) دیا کرتے تھے تاکہ اس کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ اسی لائحہ عمل اور قانون کا نام شریعت ہے جبکہ اس قانون (شریعت) پر عمل پیرا ہونے کا نام عبادت ہے۔ یہ قانون (شریعت) حالات کی مناسبت سے انبیا کو دیا جاتا اور حالات کی مناسبت ہی سے اللہ تعالیٰ اس میں تبدیلیاں بھی فرماتے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں ان کی اولاد کا (یعنی بہن بھائیوں) کا آپس میں نکاح اللہ نے جائز ٹھہرایا تھا مگر بعد کی شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے بہن بھائی کا نکاح حرام ٹھہرا دیا۔ اسی طرح بعض شریعتوں میں دو حقیقی بہنوں کو ایک ہی نکاح میں جمع کرنا جائز تھا مگر محمدی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ گویا جب سے یہ کائنات بنی ہے تب سے اس میں حالات کی مناسبت سے شریعتوں میں تبدیلی اور ترمیم و ترمیم کا عمل جاری رہا، تا آنکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کی حیثیت سے مبعوث فرما دیا تو آپ کو دی جانے والی شریعت (یعنی اسلام) کو قیامت تک کے لیے ناقابل ترمیم حیثیت دے دی۔ اب محمدی شریعت ہی واحد معیار نجات ہے جو قرآن و حدیث کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرما دی ہے۔ اب اسی شریعت پر عمل کرنا عبادت ہے اور اس سے انحراف بغاوت ہے۔

اصل توحید توحید عبادت ہے

اللہ تعالیٰ کو خالق و رازق تسلیم کرنا، کائنات کا مدبر و منتظم اور مالک حقیقی مان لینا بھی توحید میں داخل ہے جسے عام فہم انداز میں توحید ربوبیت یا توحید ذات کہا جاتا ہے مگر اصل توحید، توحید عبادت ہے جسے توحید الوہیت بھی کہا جاتا ہے یعنی ایک اللہ ہی کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کی جائے، اس کے آگے رکوع و سجدہ کیا جائے اور اسی کے لیے نذر و نیاز دی جائے، اسی کے حکم و قانون کو بالائے تسلیم کیا جائے اور اس کے مقابلہ میں نہ کسی کی عبادت و پرستش کی جائے اور نہ کسی کا حکم و قانون اپنایا جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خالق، رازق اور مالک تسلیم کرنے کے باوجود عبادت و اطاعت کسی اور کی کرے تو اس کی توحید کامل نہیں بلکہ مشرکین کہ جو اللہ کو خالق، رازق اور کائنات کا مالک حقیقی تسلیم کرتے

تھے، انہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کافر و مشرک ہی قرار دیا کیونکہ عبادت و اطاعت میں وہ ایک اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک ٹھہراتے تھے۔ عبادت و پرستش کے لیے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سینکڑوں بت تراش رکھے تھے جبکہ اطاعت و فرمانبرداری کے لیے بھی وہ حضرت محمد ﷺ کا قانون (شریعت) اپنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے جب تک توحید عبادت میں انسان کامل نہ ہو اور یہ ثابت نہ کرے کہ اس کا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لیے ہے، تب تک اس کی نجات اخروی کا سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ آئندہ صفحات میں ہم توحید عبادت سے متعلقہ چند اہم باتوں کی تفصیلات ذکر کریں گے:

توحید عبادت کی بنیادی صورتیں

توحید عبادت یہ ہے کہ زبان، مال اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی تمام عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں۔ چونکہ عبادت کی بنیادی طور پر تین ہی قسمیں ہیں یعنی زبانی، مالی اور جانی۔ اس لیے آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی البتہ اس سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ عبادت کی ان تین قسموں کی بنیاد صحیح بخاری و مسلم کی درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو (حالت تشہد) میں یہ پڑھا کرو:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ﴾ [بخاری (۸۳۱-۸۳۰) مسلم (۴۰۲)]

”قولی بدنی اور مالی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی اس کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔ اور ہم پر بھی اور اللہ کے دوسرے نیک بندوں پر بھی سلامتی نازل ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

آئندہ سطور میں ہم زبانی، مالی اور جسمانی عبادات کی مختلف صورتیں بالتفصیل بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ!

عبادت کی پہلی صورت..... زبانی عبادتیں

اس میں دعا، پکار، نداء، فریاد، استغاثہ (مدد مانگنا) استعاذہ (پناہ مانگنا) رضا طلب کرنا، اور ذکر و حمد وغیرہ شامل ہیں۔

(۱)..... مدد کے لیے ایک اللہ ہی سے دعا و فریاد کی جائے

کسی نعمت کے حصول، تنگی اور مصیبت سے نجات اور مشکل میں مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارنا 'دعا' کہلاتا ہے خواہ آہستہ پکارا جائے یا اونچا، تنہائی میں پکارا جائے یا لوگوں کے جلو میں۔ اس دعا میں یہ تصور شامل ہوتا ہے کہ جس ذات کو پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی حالت سے نہ صرف یہ کہ پوری طرح واقف ہے بلکہ اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا ایسی ذات ہے جو ہر وقت اور ہر حالت میں اپنی مخلوق کی پکار کو سنتی، دلوں کے ارمان کو جانتی اور ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس لیے وہی ذات یہ حق رکھتی ہے کہ تنگی و مصیبت میں اسے ہی پکارا جائے، اسی کے در پر جمولی پھیلائی جائے، اسی سے فریاد کی جائے اور اسی سے مدد مانگی جائے۔ اسی لیے دعا کو عبادت کہا گیا بلکہ انسان محتاج، کمزور اور ضعیف ہونے کی وجہ سے ہر لمحہ کسی نہ کسی تنگی و مصیبت کا شکار اور ہر آن کسی نہ کسی نعمت کا طلبگار رہتا ہے اور اس کے لیے اسے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلانے اور اس سے مانگنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے مانگنے، اسے پکارنے اور اس سے دعا کرنے کو عبادت کی روح اور مغز قرار دیا گیا۔ حدیث نبوی ہے:

((الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) "دعا عبادت کا مغز ہے" [ترمذی: کتاب الدعوات: باب منه الدعاء مخ العبادۃ (ح ۳۲۷۱)] اس کی سند میں اگرچہ ضعف ہے مگر ترمذی ہی کی ایک اور روایت اس مفہوم میں کفایت کرتی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں ((الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) "دعا ہی (اصل) عبادت ہے۔" [ترمذی: ح ۳۲۷۲]

بلکہ بعض احادیث میں تو یہ بھی ہے کہ ((مَنْ لَمْ يَسْئَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ)) "جو شخص اللہ سے دعا نہ کرے اللہ اس پر غصہ کرتے ہیں۔" [ترمذی: ابصار ۳۲۷۳]

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو، اسی کو پکارو، اسی سے دعا اور فریاد کرو جبکہ اس کے بالمقابل پورے قرآن میں کہیں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں کہ جس میں کہا گیا ہو کہ اپنی مشکلات میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارو بلکہ عہد نبوی میں جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس نیت سے پکارتے تھے کہ وہ ہماری سنتے اور مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، انہیں کافر و مشرک قرار دیا گیا اور ان کے اس عقیدے کی عقلی و منطقی طریقے سے بھی پر زور تردید کی گئی۔ آئندہ سطور میں ہم چند ایسی آیات کا انتخاب پیش کر رہے ہیں جن میں صرف اور صرف اللہ کو پکارنے کا صاف صاف ذکر بلکہ حکم موجود ہے اور غیر اللہ کو پکارنے کی صاف ممانعت مذکور ہے:

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [الاعراف-۵۵]
 ”تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں۔“

﴿وَإِنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ [الحج-۱۸]

”اور بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔“
 ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ إِنِّي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِي هَذَا أَوْ آثَرِهِ مِنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفُلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ﴾ [الاحقاف-۶، ۵، ۴]

”(اے نبی ﷺ) ان سے کہو! کبھی تم نے آنکھ کھول کر دیکھا بھی ہے کہ وہ ہستیاں ہیں کیا، جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کر رکھا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق یا تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اس سے پہلے آئی ہوئی کتاب یا علم کا بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو! آخر اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسی ہستیوں کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکتی ہوں بلکہ وہ ان کی دعاؤں

سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اس وقت وہ ہستیاں پکارنے والوں کی دشمن بن جائیں گی اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گی۔“

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ، أَمْوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ [النحل - ۲۰، ۲۱]

”اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔“

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ﴾
”وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی اپنی مدد آپ کر سکتے ہیں۔“ [الاعراف - ۱۹۷]

تمام انبیاء و رسل اور اولیائے کرام اپنی مشکلات میں اللہ ہی کو پکارا کرتے تھے اور یہ ایمان رکھتے تھے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی ذات مافوق الاسباب اختیارات نہیں رکھتی، اس لیے اللہ کے علاوہ اور کسی کو پکارنا شرک ہے۔ ذیل میں چند انبیاء کی وہ دعائیں اور فریادیں ذکر کی جا رہی ہیں جو انہوں نے مشکلات کے وقت اللہ کے حضور پیش کی تھیں۔
حضرت آدم علیہ السلام کی دعا:

جب حضرت آدم و حوا کو ایک غلطی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت سے نکال دیا تو انہوں نے براہ راست اللہ سے معافی طلب کرتے ہوئے یہ دعا پڑھی تھی:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ اللَّهُ الْحَمِيدُ إِنَّا كُنَّا مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾
”دونوں نے کہا اے رب ہمارے! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ [الاعراف - ۲۳] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی لغزش کو معاف فرمادیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا:

حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی سرکشی و نافرمانی سے تنگ آ گئے اور انہیں یقین

ہو گیا کہ اب یہ اللہ کی طرف نہیں لوٹیں گے تو ان سے نجات کے لیے آپ ﷺ نے اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کی:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ ذَيَارًا إِنَّكَ إِن تَذَرْنَاهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَجْرًا كَثْفًا﴾ [نوح - ۲۶، ۲۷]

”اور (حضرت) نوح ﷺ نے کہا کہ اے میرے پالنے والے! تو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے دے، والا نہ چھوڑا! اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو (یقیناً) یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کریں گے اور یہ قاجروں اور ڈھیٹ کافروں کی جو جم دیں گے۔“

چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ کی کافر و مشرک قوم کو پانی کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم ﷺ کی دعا:

حضرت ابراہیم ﷺ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کافر و مشرک لوگوں سے رحم کی اپیل کرنے کی بجائے اللہ کے حضور درخواست کی اور کہا:

﴿حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ [بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله: ان الذين قال

لهم الناس (ح- ۴۰۶۴)]

”مجھے اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔“

چنانچہ اللہ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی اور ابراہیم ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

حضرت یونس ﷺ کی دعا:

حضرت یونس ﷺ کو جب مچھلی نے زندہ سلامت اپنے پیٹ میں نگل لیا تو اس وقت انہوں نے کسی نبی، ولی، پیر، فقیر، شہید، فرشتے اور جن وغیرہ کو پکارنے کی بجائے سیدھا اللہ رب العزت کو پکارا اور یہ دعا مانگی:

﴿فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”بالآخر اندھیروں کے اندر سے وہ پکار اٹھا کہ الہی! تیرے سوا کوئی معبود

نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہو گیا ہوں۔“ [الانبیاء - ۸۷]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَأَسْتَجِبْنَاهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

”چنانچہ ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے ہم نے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اس طرح بچالیا کرتے ہیں۔“ [الانبیاء۔ ۸۸]

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی کے بارے میں فرمایا کہ

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسْتَجِيبِينَ لَلَبْتُ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾

”اگر وہ (یونس علیہ السلام اللہ کی) تسبیح بیان نہ کرتے تو قیامت تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے۔“ [الصُّفَّتْ - ۱۴۴، ۱۴۳]

چنانچہ اللہ کے حضور فریاد کرنے سے مچھلی نے اللہ ہی کے حکم سے حضرت یونس علیہ السلام کو باہر خشکی پر پھینک دیا اور اس طرح آپ کی جان بخشی ہوئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا:

حضرت ایوب علیہ السلام ایک عرصہ تک شدید بیماریوں میں مبتلا رہے اور صبر کرتے رہے حتیٰ کہ جب انہوں نے پکارا تو اللہ ہی کو پکارا اور کہا:

﴿إِذْ نَادَى رَبَّهُ أُنَىٰ مَسْنَىٰ الشَّيْطَانِ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ﴾ [ص - ۴۱]

”جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے رنج و دکھ پہنچایا ہے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ صحت و عافیت بخش دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی دعا:

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ السلام کی جدائی میں کئی سالوں تک تڑپتے رہے حتیٰ کہ رو رو کر بیٹائی بھی ضائع ہو گئی اور اپنے اس غم کو دور کرنے کے لیے جب آپ

پکارتے تو ایک اللہ ہی کو پکارتے اور کہتے:

﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بِنُسُؤِ أَبِيكَ وَخُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ (یوسف: ۸۶)

”میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔“

بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے بیٹے سے ملا دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا:

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے کی عمر جا پہنچے مگر اللہ کے حکم سے ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی مگر جب انہوں نے اولاد کے لیے فریاد کی تو اسی اللہ کے دربار میں جمہولی پھیلائی اور یہ دعا مانگی:

﴿إِذْ نَادَى رَبَّهُ بَدَاءَ حَفِيظًا قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِبَدْعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾ [مریم - ۵ تا ۳]

”جب کہ اس نے اپنے رب سے چکے چکے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے بھڑک اٹھا ہے، لیکن میں کبھی بھی تجھ سے دعا کر کے محروم نہیں رہا۔ مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے، میری بیوی بھی بانجھ ہے، پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰزَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۙ اسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾ [مریم - ۶]

”اے زکریا! ہم تجھے ایک بچے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا نام بھی کسی کو نہیں کیا۔“

(۲)..... صرف اللہ ہی سے پناہ طلب کی جائے:

اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے حکم و اذن کے بغیر کچھ نہیں ہوتا کسی شخص کو اگر وہ اپنی پناہ میں لے لے تو ساری کائنات مل کر بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور کسی کو اگر وہ نقصان پہنچانا چاہے تو ساری کائنات مل کر بھی اس سے نقصان کو دور نہیں کر سکتی اس لیے مخلوق کے شر سے اسی ذات و احد کی پناہ مانگی جائے، خود اللہ نے اپنے انبیاء و رسل کو یہ تعلیم دی کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے پناہ طلب کریں مثلاً قرآن مجید کی آخری دو سورتوں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) میں نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا سکھائی:

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

”آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے۔ اور اندھیری رات کی تاریکی کے شر سے کہ جب اس کا اندھیرا پھیل جائے اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے بھی اور حسد کرنے والے کی برائی سے بھی جب وہ حسد کرے۔“

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

”آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں، لوگوں کے مالک کی اور لوگوں کے معبود کی پناہ میں (آتا ہوں) وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔“

(۳)..... اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے صرف اللہ کا ذکر کیا جائے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الاحزاب - ۴۱، ۴۲]

”مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت زیادہ کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔“

(۴)..... صرف اللہ کی قسم کھائی جائے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے باپ کی قسم کھائی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا اِنَّ اللّٰهَ يَنْهٰكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاَبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ

لِيَصُمَّتْ)) [بخاری: کتاب الایمان: باب لا تحلفوا باآبائکم (ح ۶۶۶۶)]

”خبردار! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمادیا ہے۔

جو شخص قسم کھانا چاہے اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص نے لات اور عزی (بتوں) کی قسم کھائی اسے چاہیے کہ وہ (توبہ کرتے ہوئے) لا الہ الا اللہ کہے۔“ [بخاری: ایضاً: باب لا یخلف بالات والعزی (۶۶۵۰)]

(۵)..... توبہ وانا بت:

انسان کو چاہیے کہ گناہوں کے سرزد ہو جانے کے بعد اللہ کی طرف رجوع اور توبہ کرے کیونکہ وہی ذات گناہوں کو معاف کرنے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلُمُوا عَلَىٰ اللَّهِ﴾ [الزمر- ۵۴]

”تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اسی کے لیے فرمانبردار بن جاؤ“

(۶)..... توکل واعتماد:

انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا سہارا سمجھے اور اسی پر حقیقی توکل کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَىٰ اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [المائدة- ۲۳]

”اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اگر تم ایمان والے ہو۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ [الطلاق- ۳]

”جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔“

عبادت کی دوسری صورت..... جسمانی عبادتیں

زبان چونکہ جسم کا حصہ ہے اس لیے زبان سے کی جانے والی عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔ اسی طرح دل بھی جسم کا حصہ ہے اور اس سے متعلقہ عبادتیں بھی جسمانی عبادتوں میں شامل ہیں۔ زبانی عبادتوں کو چونکہ ہم گزشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں اس لیے اب یہاں قلب و جسم سے متعلقہ عبادتوں کو بیان کیا جائے گا:

دل سے متعلقہ عبادتیں:

اس میں وہ عبادات شامل ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی پہلو سے دل کے ساتھ ہے مثلاً ایمان و یقین، محبت و خشیت، رجاء و غربت، توکل و انا بت وغیرہ۔ آئندہ سطور میں ان کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

(۱).....ایمان و یقین:

انسان کو چاہیے کہ وہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک اور رب ہونے پر ایمان رکھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسولوں، آسمانی کتابوں، فرشتوں، تقدیر اور یوم آخرت پر بھی کامل یقین رکھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ [النساء: ۱۳۶]

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول ﷺ پر، اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں، ایمان لاؤ! جو شخص اللہ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کی کتابوں سے، اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“

(۲).....محبت و خشیت:

انسان کو چاہیے کہ وہ سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے رکھے اور سب سے زیادہ ڈر بھی اسے اللہ ہی کا ہونا چاہیے حتیٰ کہ دوسروں کے ساتھ دوستی اور دشمنی کی بنیاد بھی اس کے نزدیک اللہ کی رضا و خوشنودی ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَهْلُ حُبِّ اللَّهِ﴾ [البقرة- ۱۶۵]۔ ”اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت نخت ہوتے ہیں۔“ نیز ارشاد باری ہے: ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِي﴾ [المائدة- ۴۴] ”پس تم لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو۔“

(۳).....رجا و رجبت:

انسان کو چاہیے کہ وہ ہر طرح کی خیر و بھلائی کی امید اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرے کیونکہ تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقِي مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿﴾
 ”آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے
 بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور
 جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہاتھ ہی میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر
 قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں لے جاتا ہے، تو
 ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے تو
 یہاں ہے کہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے“ [آل عمران- ۲۶، ۲۷]

جسم و بدن سے متعلقہ عبادتیں

اس میں نماز و قیام، رکوع و سجود، طواف و اعتکاف، حج و روزہ وغیرہ شامل ہیں۔

نماز اور قیام صرف اللہ کے لیے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الانعام ۱۶۲]
 ”(اے نبی!) آپ فرمادیجیے! کہ بالیقین میری نماز، اور میری ساری عبادت، اور
 میرا جینا اور میرا مرنے سب خالص اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے“
 ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَكُلُّوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ﴾
 ”نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص درمیان والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب
 کھڑے ہو کر۔“ [البقرہ- ۲۳۸]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَمْتَسِلَ لَهُ الرَّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) [ترمذی:

کتاب الادب: باب ماجاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل (۲۷۵۵) ابو داؤد (۵۲۲۹)]

”جو آدمی یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے تصویر کی طرح (بے حس و حرکت اور
 باادب ہو کر) کھڑے ہوں تو وہ اونچی جگہ جہنم میں بنا لے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے
 کیونکہ آپ اس بات کو پسند نہیں فرماتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 ((لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ (قَالَ) وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ

يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِدَلِيلِكَ)) (ترمذی: ایضاً (ح ۲۷۰۴))

”صحابہ کرام کو اللہ کے رسول سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا اور جب وہ آپ کو (تشریف لاتے) دیکھ لیتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ اس قیام کو ناپسند کرتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ کسی کے لیے باادب ہو کر قیام کرنا اس کی حد درجہ تعظیم ہے اور حد درجہ تعظیم کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی رکھتے ہیں۔ اگرچہ بعض روایات سے قیام کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس وقت ہے جب قیام تعظیمی نہ ہو بلکہ قیام استقبالی ہو اور اس میں کھڑے ہونے والے کی حقارت نہ ہو اور نہ ہی دوسرا شخص بطور تکبر اس کو پسند کر رہا ہو۔

واضح رہے کہ بعض لوگ جو محفل میلاد منعقد کرتے ہیں تو آخر میں کچھ دیر کے لیے اس خیال سے ازراہ تعظیم کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ حالانکہ اول تو اللہ کے رسول عالم برزخ میں ہیں اور عالم برزخ کا ہمارے اس عالم حیات سے کوئی تعلق نہیں اور دوسری بات یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ تعظیم کے لیے کھڑا ہو جائے اور جب صحابہ کرام بھی آپ کی زندگی میں آپ کے لیے کھڑا نہیں ہوا کرتے تھے تو ہمارے لیے یہ کیسے جائز ہو گیا کہ ہم ایک فرضی تصور کے ساتھ آپ کے لیے کھڑے ہوں!؟

رکوع و سجود صرف اللہ کے لیے:

کسی کے آگے جھکنا، رکوع کہلاتا ہے اور ماتھا زمین پر ٹیک کر بچھ جانا سجدہ کہلاتا ہے۔ رکوع اور سجدہ یا تو کسی کی تعظیم کے لیے کیا جاتا ہے یا پھر اس کی پرستش کی نیت سے۔ جہاں تک عبادت و پرستش کے لیے رکوع و سجود کا تعلق ہے تو یہ اللہ کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں۔ جبکہ تعظیم اور ادب و احترام کے لیے اللہ کے علاوہ کسی کے آگے رکوع و سجود بعض شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے جائز رکھا تھا مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے ان کے بھائیوں اور والدین کا سجدہ کرنا ان کی شریعت میں جائز تھا مگر محمدی شریعت میں تعظیمی رکوع و سجود سے بھی منع فرما دیا گیا جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِرْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا وَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَعْلَمُوْا الْخَيْرُ

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ﴾ [حج- ۷۷]

”اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرتے رہو، اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو۔ اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

﴿وَمِنَ الْيَتِيمِ الْأَمْلِ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ [حم السجدة ۳۷]

”اور دن اور رات اور سورج چاند بھی اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اس کی عبادت کرنی ہے تو۔“

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حیرہ (یعنی کاشغر) آیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے بادشاہ مسر زبسان کے لیے سجدہ کرتے تھے میں نے سوچا کہ اللہ کے رسول ﷺ (ان حاکموں اور بادشاہوں کے مقابلہ میں) سجدہ کے زیادہ حقدار ہیں چنانچہ جب میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں حیرہ شہر میں گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ مسر زبسان کو سجدہ کرتے ہیں جبکہ آپ اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر تمہارا گزرمیری قبر پر ہو تو کیا میری قبر پر تم سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((فَلَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُمْ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يُسْجَدَ لِأَحَدٍ لَا مَرَاتَ النِّسَاءِ أَنْ يُسْجَدَ لَنَازِلِ زَوْجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللَّهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْحَقِّ)) [ابوداؤد: کتاب

النکاح: باب فی حق الزوج علی المرأة (ح ۲۱۴۰)]

”پھر مجھے بھی سجدہ نہ کرو اور اگر میں کسی کو یہ حکم دینا چاہتا کہ وہ (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدہ کرے تو پھر میں عورتوں کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں اس حق کے بدلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے خاوندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔“ [شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح

قرار دیا ہے اسوائے قبر والے جملہ کے۔ دیکھیے ہماری کتاب: ”ہدیۃ العزوس“ (ص ۸۶)]

معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جھکتا اور سجدہ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں اگر تعظیم کی نیت سے ایسا کیا جائے تو یہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر عبادت و پرستش کی نیت سے کیا جائے تو پھر یہ شرک اکبر ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اس بات کو پسند نہ کیا کہ انسان

اپنے جیسے انسان یا مخلوق کے لیے سجدہ ریز ہو بلکہ اپنے لیے بھی کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہ دی۔ اب یہ تو ہے قرآن و سنت کی صاف شفاف اور موّعدانہ تعلیم مگر افسوس ان کلمہ گو اور نام کے مسلمانوں پر جن کی جبین غیر اللہ کے آگے جھکتی ہے اور اس سے زیادہ افسوس ہے ان نام نہاد علماء پر جو حضرت آدم ﷺ کے لیے فرشتوں کے سجدہ کرنے یا حضرت یوسف ﷺ کے لیے ان کے بھائیوں کے سجدہ کرنے کو اس بات کے ثبوت اور دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ جائز ہے حالانکہ اگر پہلی شریعتوں میں تعظیماً سجدہ جائز بھی تھا تو آخری صاحب شریعت اور خاتم النبیین نے اس کو منسوخ فرما دیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ضد کرے تو اس کے لیے سوائے دعا اور اس کے اس رویہ پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جاسکتا ہے!

قبروں پر سجدہ ریزی کی حرمت:

ذیل میں چند ایک ایسی صحیح احادیث ذکر کی جارہی ہیں جن میں قبروں پر سجدہ کرنے کی صاف ممانعت مذکور ہے:

(۱)..... حضرت جناب جناب سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل یہ ارشاد فرمایا:

”لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلی امتوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں (سجدہ گاہ) بنا لیا تھا۔ خبردار! تم قبروں پر مسجدیں مت بنانا، میں تمہیں اس بات سے منع کرتا ہوں۔“ [مسلم: کتاب المساجد: باب النهی عن بناء المسجد علی القبور۔۔۔ (ح ۵۳۲)] واضح رہے کہ یہاں حدیث میں مسجد کا لفظ آیا ہے اور لغت کی رو سے مسجد اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی سجدہ کرتا ہو، خواہ وہ جگہ قبرستان ہو یا نماز پڑھنے کی مخصوص عمارت (مسجد)۔ اس حدیث میں لفظ مسجد کے لغوی معنی مراد لیے گئے ہیں جیسا کہ اگلی دو حدیثیں بھی اس کی وضاحت کر رہی ہیں۔

(۲)..... حضرت اُمّ حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”یقیناً ان (یہود و نصاریٰ) میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (سجدہ گاہ) بنا لیتے اور اس میں تصاویر آویزاں کرتے، یہی لوگ روز قیامت

اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق شمار ہوں گے۔“ [بخاری: کتاب الصلاة: باب الصلاة في البيعة (ح ۴۳۴) مسلم (ح ۵۲۸)]

(۳)..... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کا یہ ارشاد سنا: ”بلاشبہ بدترین لوگ وہ ہیں جن کی زندگی میں قیامت قائم ہوگی اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو قبروں کو مسجدیں (یعنی جگہ گاہیں) بنا لیں گے۔“ [مسند احمد (۱/۴۰۵)]

ابن حبان (ح ۲۳۱۶) ابویعلیٰ (ح ۵۳۱۶) ابن خزیمہ (ح ۷۸۹) [۴]..... ایک اور حدیث نبویؐ ہے کہ

”لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تَصَلُّوا إِلَيْهَا“

”قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کی طرف نماز پڑھو“ [مسلم: کتاب الحنائن: باب النهی عن

الحلوس علی القبر۔۔۔ (ح ۹۷۲) ابوداؤد (۷۱/۱) نسائی (۱۲۴/۱) ترمذی (۱/۱۵۴)]

طواف واعکاف بھی صرف اللہ کے لیے:

اجرو ثواب کی نیت سے کسی خاص مقام کے گرد چکر لگانا طواف اور اسی نیت سے کسی خاص مقام پر مخصوص مدت کے لیے بیٹھنا اعکاف کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بابرکت گھر بیت اللہ کے گرد چکر لگانا یعنی طواف کرنا حج و عمرہ کی عبادت میں شامل ہے اور یہی ایک گھر ہے جس کا طواف عبادت ہے اس کے علاوہ کسی اور گھر، مقام یا جگہ کا طواف غیر اللہ کی عبادت میں شمار ہوگا۔ بیت اللہ کے طواف کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿وَعَهَدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَ آيَاتِنَا لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ [البقرة - ۱۲۵]

”اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔“

مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف بھی کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ اپنے بعض بتوں کے آستانوں کا طواف بھی کیا کرتے تھے۔ طواف چونکہ ایک عبادت ہے اس لیے مشرکین مکہ کا اپنے بتوں کے لیے طواف واضح شرک تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے

بالآخر ختم فرمادیا اور قیامت کے قریب اس شرک کے دوبارہ شروع ہو جانے کے بارے میں یہ پیشگوئی بھی فرمائی کہ

﴿لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَضْطَرَّ الْيَاثُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلَى ذِي الْخَلْصَةِ: وَذُو الْخَلْصَةِ: طَائِفَةٌ دَوْسٍ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [بخاری:

کتاب الفتن: باب تغير الزمان حتى تعبد الاوثان (ح ۷۱۱۶) مسلم (ح ۲۹۰۶)]

”قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوس قبیلے کی عورتوں کے سرین (چوڑے) ذوالخلصہ پر حرکت کریں گے۔“ ذوالخلصہ دوس قبیلے کا بت تھا جس کی وہ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔ [یعنی عورتیں اس کے گرد طواف کریں گی، اس سلسلہ میں مزید تفصیل

کے لیے ملاحظہ کیجیے ہماری کتاب: قیامت کی نشانیاں ص ۱۵۷، ۱۵۸]

طواف تو صرف بیت اللہ کا کیا جاسکتا ہے جبکہ اعکاف کسی بھی مسجد میں اور کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ یہ اللہ کے لیے ہو کیونکہ اعکاف بھی ایک عبادت ہے اور عبادت کا حقدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن یاد رہے کہ مسجد چھوڑ کر کھلے میدانوں میں اعکاف کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں!

حج اور روزہ بھی صرف اللہ کے لیے:

حج اور روزہ بھی چونکہ عبادت ہیں اس لیے یہ حق بھی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ اسی کے لیے روزہ رکھا جائے اور اسی کے لیے اس کے گھر (بیت اللہ، کعبہ) کا حج کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے روزہ رکھے یا بھوک برداشت کرے یا کسی اور کے لیے حج کرے تو اس کا یہ عمل یقیناً شرک ہوگا۔

عبادت کی تیسری صورت..... مالی عبادتیں

اس میں نذر و نیاز، صدقہ و خیرات اور قربانی وغیرہ شامل ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

نذر و نیاز صرف اللہ کے لیے:

’نذر‘ بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے، اردو میں اس کا ترجمہ ’منت‘ اور فارسی میں ’نیاز‘ کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل عبادت کی وہ قسم ہے جسے کوئی شخص اپنے اوپر لازم

کر لیتا ہے مثلاً کوئی شخص یہ ارادہ کر لے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا میری فلاں مراد پوری ہوگئی تو میں اس کے بدلہ میں اتنے نوافل ادا کروں گا، یا میری فلاں مشکل حل ہوگئی تو میں اتنا صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ نذر و نیاز میں اگرچہ ہر طرح کی عبادت شامل ہوتی ہے مگر عام طور پر اسے مالی عبادت کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مولانا وحید الزمان قاسمی رقم طراز ہیں کہ

”نذر، منت، وہ صدقہ یا عبادت وغیرہ جسے اللہ کے لئے اپنے اوپر لازم کیا جائے اور

اپنے مقصد کی تکمیل پر اسے ادا اور پورا کیا جائے۔“ [القاموس الوحید: ص ۱۶۳]

معلوم ہوا کہ نذر و نیاز، منت اور چڑھاوا عبادت ہے اور عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس سے خود ہی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دے یا غیر اللہ کے لیے منت مانے تو وہ شرک کا مرکب ٹھہرتا ہے۔ اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کفار مکہ جو غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز دیتے تھے ان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ

بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ [الانعام - ۱۳۶]

”اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے اس میں سے کچھ حصہ

اللہ کا مقرر کر لیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے۔“

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ

كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [المائدة - ۱۰۳]

”اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو لیکن

جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔“

واضح رہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، اور حام وغیرہ ان مخصوص جانوروں کے نام ہیں

جنہیں مشرکین مکہ غیر اللہ کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو

سخت ناپسند کیا۔ غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا کتنا بڑا گناہ ہے اس کا اندازہ حضرت سلیمان

رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بخوبی کیا جاسکتا ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور دوسرا مکھی کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو گیا۔ لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں دو آدمی تھے جو ایک جگہ سے گزرے اور وہاں لوگوں نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جب تک اس کا چڑھاوا نہ چڑھایا جاتا تب تک کوئی شخص وہاں سے گزر نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں نے ان دو میں سے ایک سے کہا کہ اس بت کے لیے کچھ نذر دینا زرخیز کرو۔ اس نے کہا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ نذر دینا تو دینا پڑے گی خواہ ایک مکھی ہی کیوں نہ ہو۔ اس نے مکھی کا چڑھاوا چڑھایا اور وہاں سے گزر گیا یہ تو (اپنے اس فعل کی وجہ سے) جہنم میں گیا۔ ان لوگوں نے دوسرے آدمی سے بھی کہا کہ نذر زرخیز کرو اس نے کہا میں اللہ کے سوا کسی کے لیے کوئی نذرانہ نہیں دے سکتا۔ تو لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور وہ جنت میں جا پہنچا۔“ [حلیۃ

الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی (ج ۱ ص ۲۰۳) کتاب الزہد لاحمد بن حنبل (ص ۱۰)]
یاد رہے کہ غیر اللہ کے لیے نیاز دی جانے والی چیز کھانا بھی درست نہیں بلکہ ایسی چیز کو مردار اور خنزیر کھانے کے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ [دیکھئے: سورۃ المائدہ- ۳] افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو غیر اللہ کے لیے دکھیں پکا کر تقسیم کرتے ہیں!

ہر طرح کی قربانی صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے

قربانی بھی ایک عبادت ہے اس لیے اگر اللہ کے علاوہ کسی اور خوش کرنے کے لیے جانور ذبح کیا جائے تو وہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر- ۲]

”اپنے رب کے لیے آپ نماز پڑھیے اور (اسی کے لیے) قربانی کیجیے“
جو حلال جانور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذبح کیا جائے وہ جانور پھر حلال نہیں رہتا بلکہ حرام ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْمُتَمِّتَةُ وَالْحَمُّ وَالْحَنِزِيرُ وَمَا أِهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
وَالْمُنْحِقَةُ وَالْمُؤَفَّرَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

وَمَا ذَبَحَ عَلَى النَّصَبِ﴾ [المائدہ- ۳]

”تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ اور جو گلا گھسنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو کسی اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اسے (اگر مرنے سے پہلے) تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو (وہ بھی حرام ہے)۔“ نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ [الانعام - ۲۱]

”اور وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے یہ فرمایا کہ

((لَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَلَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ آوَى مُخْدِئًا وَلَعْنَةُ اللَّهِ مَنْ لَعَنَ

وَالِدَيْهِ وَلَعْنَةُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ)) [مسلم: کتاب الاضاحی: باب تحريم الذبح

لغير الله (ح ۱۹۷۸)]

”اللہ تعالیٰ نے چار بندوں پر لعنت فرمائی ہے: (۱) ایک وہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے جانور ذبح کرے۔ (۲) دوسرا وہ جو (اپنی جگہ بڑھانے کے لیے) زمین کی حدیں تبدیل کرے۔ (۳) تیسرا وہ جو اپنے والدین پر لعنت کرے (۴) اور چوتھا وہ جو کسی بدعتی شخص کو جگہ دے۔“

اسی طرح درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے

کسی شریکہ مقام پر اللہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرنا جائز نہیں:

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک صحابی رضی اللہ عنہ آیا اور کہنے لگا کہ میں نے بوانہ نامی

مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی ہے (کیا میں اسے پورا کروں؟) آپ ﷺ

نے فرمایا: هَلْ كَانَ فِيهَا وَتَنٌ مِنْ أَوْلِيَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ ”کیا وہ جاہلیت میں

وہاں کسی بت کی پوجا تو نہیں ہوا کرتی تھی؟“ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے

پوچھا: هَلْ كَانَ فِيهَا عَيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ ”کیا وہاں مشرکین کے تہواروں

(میلوں) میں سے کوئی تہوار تو منقذ نہیں ہوا کرتا تھا؟“ اس نے کہا: نہیں۔ تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”پھر اپنی نذر پوری کرو کیونکہ جس نذر میں اللہ کی نافرمانی کا

عصر پایا جائے اسے پورا کرنا جائز نہیں۔“ [سنن ابو داؤد (ح ۳۳۱۳)]

تیسری فصل

تیسرا تعلق محتاج اور غنی کا!

اللہ کے ساتھ انسان کا تیسرا تعلق یہ ہے کہ انسان فقیر محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غنی اور قادر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُنَادِيهَا النَّاسُ أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ إِنْ يَشَأْ يُنْهِكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ [فاطر- ۱۵ تا ۱۷]

”اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔“

انسان کو قدم قدم پر اللہ کی مدد کی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اور پہلو ایسا نہیں جہاں اللہ کی ضرورت نہ پڑے حتیٰ کہ خود نبی اکرم ﷺ بھی جو صحیح معنوں میں انسان کامل تھے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے اتنے طلبگار تھے کہ اللہ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((اللَّهُمَّ رَحْمَتِكَ أَرْجُو أَفَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)) [ابوداؤد (ح- ۵۰۹۰) موارد الغم (ح- ۲۳۷)]

”اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پس تو ایک لمحے کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور تو میرے تمام معاملات کی اصلاح فرما دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔“

انسان بیمار ہو، بچھڑت ہو، پریشان ہو، مشکل کا شکار ہو یا رزق، مال اولاد اور دیگر دنیوی ضروریات کا طلبگار ہو..... ہر حالت میں صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جو اس کی مدد کر سکتی ہے اور وہ اللہ جل جلالہ کی ذات بابرکات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو

پیدا کیا ہے، یعنی اسے نعمتوں سے نوازنا اور مصیبتوں کے ساتھ آزماتا ہے۔ وہ چاہے تو انسان کو کبھی مشکل کا شکار نہ ہونے دے اور اگر وہ چاہے تو انسان کو زہر کی بھراہن اور جگن نصیب نہ ہونے دے۔

معاذ اللہ اوہ ظالم نہیں مگر انسان جب اس کی بغاوت و نافرمانی اور ظلم و سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو وہ اسے اپنی قدرت و طاقت سے متنبہ کرنے اور اپنے عذاب سے مطلع کرنے کے لیے دنیا میں بھی اپنی پکڑ کی تمھوری سی جھلک دکھا دیتا ہے تاکہ انسان یہ سمجھ لے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے اور اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

الحمد للہ اوہ سراپا عدل ہے، اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، وہ اپنے ایمان والوں کو مزید ثواب سے نوازنے کے لیے ان کی آزمائش کرتا اور انہیں دنیوی مصائب سے دوچار بھی کرتا ہے تاکہ ان کا ایمان یقین پختہ ہو، ان کی استقامت و ثابت قدمی میں اور مضبوطی آئے، وہ پلٹ پلٹ کر اللہ ہی کی طرف رجوع کریں، اس سے دعا و مناجات کریں، اس سے التجا و درخواست کریں، اسی کے آگے جھکیں، اسی سے معافی مانگیں، اس کے آگے جھولی پھیلائیں، اسی کی رضا طلب کریں، اسی کا حکم مانیں، اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔

تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنا کر اشرف المخلوقات کا شرف بخشا، عقل و شعور سے نوازا، اور ساری کائنات کو ہماری خدمت اور ضرورت کے لیے بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَالِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ [البقرہ۔ ۲۹]

”وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔“

اللہ چاہتا تو ہمیں انسان کی بجائے حیوان بنا سکتا تھا اور اگر واقعی وہ ہمیں گائے، بھینس، بکری، کبھی، مٹی، کتے، چوہے وغیرہ کی شکل میں پیدا فرمادیتا تو کس کی مجال تھی کہ وہ جانور بننے سے انکار کرتا.....!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر ہمارے مطالبہ کے انسان بنا دیا جو اس کا بہت بڑا احسان

ہے۔ پھر اس نے ہمیں بغیر مانگے ہاتھ، پاؤں، عقل، شعور، آنکھیں اور دیگر نعمتوں سے نوازا۔ ماں کے پیٹ میں رزق کا بندوبست کر دیا۔ دنیا میں جینے کے لیے وسائل سے نوازا، کمائی کے لیے صلاحیتیں عطا کیں، ترقی کے لیے مواقع فراہم کیے، دنیا جہاں کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو اس کی توفیق اور عنایت کے بغیر ہمیں مل گئی ہو۔ اور پھر اس نے نعمتیں بھی اتنی عطا کر دیں کہ ان کا نہ شمار ہے اور نہ حد و حساب۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْتُمْ مِّنْ كُلِّ مَسْأَلَتُمُوهُ وَإِنْ تَعْلَمُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ

الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ [ابراہیم - ۳۴]

”اسی نے تمہیں منہ مانگی کل چیزوں میں سے دے ہی رکھا ہے اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو انہیں پورے گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے۔“

﴿فَلَمَّا أَرْتَمْتُم مِّنْ جَمَلِ اللَّهِ عَلَيْكُمْ الْفَهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنَ اللَّهِ خَيْرَ اللَّهِ يَلْعَبْكُمْ بِأَمْثَلٍ يُسْكِنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِي الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ جَهَنَّمَاءَ فَمَلَأْنَا هَؤُلَاءَ بَرَهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝﴾ [القصص - ۷۵ تا ۷۷]

”پوچھئے کہ یہ بھی بتا دو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن رکھے تو بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے جو تمہارے پاس رات لے آئے، جس میں تم آرام حاصل کرو کیا تم دیکھ نہیں رہے؟ اسی نے تو تمہارے لیے اپنے فضل و کرم سے دن رات مقرر کر دیے ہیں کہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کی بھیجی ہوئی روزی تلاش کرو، یہ اس لیے کہ تم شکر ادا کرو۔ اور جس دن انہیں پکار کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنہیں تم میرے شریک خیال کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کر لیں گے کہ اپنی دلیلیں پیش کرو پس اس وقت جان لیں گے کہ حق اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے اور جو کچھ وہ جھوٹ بتاتے تھے سب ان کے پاس سے کھو جائے گا۔“

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے مال و دولت، اولاد اور کاروبار وغیرہ میں ترقی و اضافہ، اس کی عزت و شہرت اور نیک نامی صرف اس کی ذہانت، محنت و علم اور کوشش کا نتیجہ ہے تو وہ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہے۔ کیونکہ جس عقل و ذہانت، علم و شعور اور محنت و کوشش کے بل بوتے پر اس نے دنیا میں کچھ حاصل کیا وہ عقل و ذہانت اور علم و شعور آخرا سے کس نے عطا کیا تھا.....؟ جس محنت و کوشش کا وہ نام لیتا ہے اس کی توفیق کس نے اسے دی تھی.....؟ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کیا اس سے عقل و ذہانت چھین نہیں سکتے تھے.....؟ کیا اسے معذور و محتاج بنا کر محنت و کوشش سے روک نہیں سکتے تھے.....؟

بلکہ ایسے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بیسیوں مثالیں پیدا کر دیں۔ کسی کو انتہا درجہ کی عقل و ذہانت دے کر پھر چھین لی اور وقت کے عقلا پھر احمق و پاگل کہلائے۔ کسی کو مال و دولت دے کر پھر کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دیا۔ کسی کو شہرت و نیک نامی دے کر پھر رسوائے زمانہ بنا دیا۔ کسی کو تاج شاهی سے نواز کر پھر تختہ دار پر کھینچا اور رہتی دنیا تک نمونہ عبرت بنا دیا۔

اگر انسان اللہ کی توفیق و عنایت اور فضل و کرم کا انکار کرتا اور صرف اپنی ذہانت، محنت، تجربہ اور کوشش پر گھمنڈ کرتا ہے تو پھر وہ بتائے کہ ابو حکم جیسے ابو جہل، کیسے بن گئے؟ فرعون و حامان جیسے اپنی بادشاہیاں کیوں نہ بچا سکے؟ قارون جیسے اپنے خزانوں کے ساتھ کیوں زمین میں دھنسا دیئے گئے؟ آئندہ سطور میں بطور عبرت ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مَوْسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولَىٰ الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ وَابْتَغَ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۚ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَآكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۚ فَخَرَجَ عَلَيَّ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لِيَلْبِثُنَا بِمِثْلِ مَا أُوتِيَ قَارُونَ إِنَّهُ لَلْذَوْحَطَّ

عَظِيمٍ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَن آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يُنصِرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ۝ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَسُّوهُمُ مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَن مِّنَ اللَّهِ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ يَلْكَ السَّادُ الْأَجْرَةَ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿القصص- ۷۷ تا ۸۱﴾

”قارون تھا تو قوم موسیٰ سے، لیکن ان پر ظلم کرنے لگا تھا۔ ہم نے اسے (اس قدر) خزانے دے رکھے تھے کہ کئی کئی طاقت ور لوگ یہ مشکل اس کی نیجیاں اٹھا سکتے تھے، ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترمت! اللہ تعالیٰ اترانے (تکبر کرنے) والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں سے آخرت کے گھر کی تلاش بھی رکھ اور اپنے دنیوی حصے کو بھی نہ بھول اور جیسے کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی سلوک کرو اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو، یقین مان کہ اللہ مفسدوں کو ناپسند رکھتا ہے۔ قارون نے کہا یہ سب کچھ مجھے میری اپنی سمجھ کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔ کیا اسے اب تک یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے بہت سے بہتی والوں کو غارت کر دیا جو اس سے بہت زیادہ قوت والے اور بہت بڑی جمع پونجی والے تھے، اور گنہگاروں سے ان کے گناہوں کی باز پرس ایسے وقت نہیں کی جاتی۔ پس قارون پوری آزمائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا، تو زندگانی دنیا کے متوالے کہنے لگے کاش کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں اور مطابق سنت عمل کریں یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر و سہارا لے ہوں۔ (آخر کار) ہم نے اسے اس کے محل سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مدد

کے لیے تیار نہ ہوئی نہ وہ خود اپنے بچانے والوں میں سے ہو سکا۔ اور جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزو مندیاں کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟ آخرت کا یہ (بھلا) گھر ہم ان ہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔ جو شخص نیکی لائے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا، تو ایسے بد اعمالی کرنے والوں کو ان کے انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے۔“

سب سے بڑی نعمت ایمان و اسلام کی نعمت ہے

قرآن مجید میں ہے کہ

﴿لَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ [آل عمران - ۱۸۰]
 ”پس جو شخص آگ (جہنم) سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تحقیق وہ کامیاب ہو گیا۔“

جہنم سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کی بنیاد ایمان و اسلام ہے جس انسان کو ایمان و اسلام کی یہ دولت مل گئی اس کو سب کچھ مل گیا اور جو اس دولت سے محروم رہا، اسے دنیا جہاں کی ساری نعمتیں میسر آ جائیں وہ پھر بھی خسارے میں ہے۔ ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا اور کسی کے بس کی بات نہیں حتیٰ کی حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی آپ کے چچا ابو طالب ایمان لے آئیں مگر وہ آخری دم تک ایمان نہ لائے اور علی ملة عبدالمطلب کہہ کر فوت ہوئے چنانچہ حضور ﷺ کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ سنایا کہ

﴿لَا يَهْدِي مَنْ أَهْبَبَتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ [القصص - ۵۶]
 ”یہ بتانا آپ جس سے محبت کریں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔“

اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں کچھ لوگ اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ پر احسان

جتلانے لگے کہ دیکھو ہم نے بھی تمہارا دین قبول کر لیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَسْمُنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ [الحجرات- ۱۷]

”وہ اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر یہ احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو۔“

انعامات کے ساتھ آزمائش بھی لازم ہے

جس طرح ہر انسان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حد و حساب ہیں اسی طرح ہر انسان پر اللہ کی طرف سے آزمائش اور مصائب و مشکلات بھی آتی ہیں، خواہ انسان مسلمان ہو یا کافر۔ دین دار ہو یا بے دین۔ مالدار ہو یا غریب۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی پر تھوڑی مصیبت آتی ہے کسی پر زیادہ، کسی کو مال و دولت کے سلسلہ میں پریشانی آتی ہے کسی کو اولاد کے سلسلہ میں، کسی کو جسمانی و طبی حوالے سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کسی کو عزت و عصمت کے حوالے سے۔ گویا آزمائش و مصائب کی نوعیت تو مختلف ہو سکتی ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کو زندگی بھر کوئی مصیبت، تنگی، پریشانی اور آزمائش کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالْعِمْرَاتِ وَبَشِيرِ النَّصِيرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ

رَجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک

پیماس سے مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی

ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پر ان کے رب کی رحمتیں

اور نوازشیں ہیں اور یہ لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“ [البقرة- ۱۵۵، ۱۵۷]

مصائب و مشکلات کیوں آتی ہیں ؟

یہ بات تو قرآن مجید نے واضح کر دی کہ ہر انسان مصائب و مشکلات کا شکار ہوتا ہے تاہم یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ مصیبتیں اور مشکلات کیوں آتی ہیں؟ قرآن و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ مصائب و مشکلات کی دو وجوہات ہیں:

(۱) ایک تو یہ ہے کہ ہر انسان کی آزمائش کے لیے اللہ ایسا کرتے ہیں اور اس کی تقدیر میں لکھ دیتے ہیں کہ اسے فلاں فلاں مصائب سے دوچار کر کے آزمایا جائے گا جیسا کہ گزشتہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح درج ذیل آیات میں بھی یہی بات اس انداز میں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ﴾

”کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ”ہم ایمان لائے ہیں“ ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے یوں ہی چھوڑ دیں گے؟ ان سے انگوں کو بھی ہم نے خوب جانچا تھا، یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی جان لے گا جو جھوٹ کہتے ہیں اور انہیں بھی معلوم کر لے گا جو جھوٹے ہیں۔“ [العنکبوت۔ ۳۰۲]

﴿وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ [آل عمران۔ ۱۸۰]

”جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کجی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے، عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کجی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے۔“

(۲) مصائب و مشکلات نازل ہونے کی دوسری صورت خود انسان کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ برے اعمال کی اصلی سزا تو مرنے کے بعد ملے گی کیونکہ دنیا دار الجحیم نہیں ہے مگر بعض حکمتوں اور مصالح کے پیش نظر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس دنیا میں بھی مشکلات سے

دو چار کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات میں یہی بات بیان کی گئی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ [الروم- ۴۱]

”خشکی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے فساد پھیل گیا ہے تاکہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ اللہ چکھادے۔ (بہت) ممکن ہے کہ وہ (بد اعمالیوں سے) باز آجائیں۔“

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾

”تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ (اللہ) تو بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔“ [الشوریٰ - ۳۰]

یعنی بہت تموزی برائیاں اور گناہ ایسے ہیں جن کی معمولی سزا دنیا میں دی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر گناہوں سے اللہ تعالیٰ دنیا میں درگزر فرماتے ہیں ورنہ تمام گناہوں پر اگر اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں پکڑ فرماتا شروع کر دیں تو دنیا میں انسان و جنات ہی نہیں چرند و پرند اور دیگر مخلوقات کا بھی نام و نشان مٹ جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ يَرَوْا آخِذَ اللَّهِ النَّاسِ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكُوا عَلَى ظَهْرِهِمْ ذَابَّةً﴾

”اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے اعمال (کرتوتوں) پر فوراً مواخذہ شروع فرمادیں تو زمین پر کوئی پٹنے والا باقی نہ رہے۔“ [فاطر- ۴۵]

یہی بات سورہ نحل میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿وَلَوْ يَرَوْا آخِذَ اللَّهِ النَّاسِ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكُوا عَلَيْهَا مِنْ ذَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخَّرُهُمْ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

”اگر لوگوں کے گناہ (ظلم و معصیت) پر اللہ تعالیٰ ان کی گرفت کرتا تو روئے زمین پر ایک بھی جاندار باقی نہ رہتا لیکن اللہ تو انہیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے جب ان کا وہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ ایک ساعت (گھری) نہ پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“ [النحل - ۶۱]

مصائب و مشکلات سے نجات کی راہیں

یہ بات تو طے ہے کہ ہر انسان کو اپنی زندگی میں گونا گوں مصائب، مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے گا قطع نظر اس سے کہ وہ غریب ہے یا امیر۔ نیک ہے یا بد، بوڑھا ہے یا جوان، مرد ہے یا عورت..... کیونکہ ہر انسان کی مشکلات اور پریشانیاں اس کے حالات، مزاج اور ماحول کی مناسبت سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ بات تو قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں ہم پڑھ چکے ہیں اب یہاں ہمیں اس پہلو پر غور کرنا ہے کہ مصائب و مشکلات اور پریشانیوں اور آزمائشوں سے نجات کیسے ممکن ہے؟

(۱)..... بے اعمال سے توبہ کرنا

گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ بعض مصائب و مشکلات انسان کے برے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں، اس لیے لامحالہ بدی، برائی اور گناہ کے کاموں سے ہمیں اجتناب کرنا ہوگا۔ جو گناہ ہو چکے ان پر عداوت کا اظہار، اللہ سے معافی اور سچی توبہ کرنا ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے گناہوں سے بچنے اور برائیوں سے دور رہنے کی حتی المقدور کوشش کرنا ہوگی۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو یقیناً ہماری پریشانیوں اور مشکلات کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے گا۔

برائی، بدی اور گناہ:

ہر وہ کام جس سے اللہ کی نافرمانی اور اس کے اتارے ہوئے دین کی خلاف ورزی ہوتی ہو وہ گناہ ہے، وہی بدی ہے، وہی شر اور وہی برائی ہے۔ خواہ وہ نماز روزہ ترک کر دینے کی صورت میں ہو یا کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کی شکل میں، خواہ وہ جھوٹ بولنے، نفیث کرنے یا گالیاں بکنے کی صورت میں ہو یا حرام کھانے، چوری کرنے، ڈاکہ ڈالنے، بدکاری اور قتل کرنے کی صورت میں۔

توبہ و استغفار:

گناہوں سے باز آنے اور اللہ سے صدق دل سے معافی مانگنے کو توبہ یا استغفار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انبیاء و رسل کے علاوہ کوئی انسان ایسا نہیں جسے معصوم من الخطا کہا جاسکتا

ہوتی کہ ایمان لانے کے بعد بھی انسان بشری تقاضوں کی وجہ سے گناہ، مصیبت اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، اسی لیے اہل ایمان کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ [التحریم: ٧]

”اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی خالص توبہ کرو۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔“

اس آیت میں جس سچی اور خالص توبہ کا حکم دیا گیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ
(۱)..... انسان جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اسے فوراً ترک کر دے کیونکہ گناہ کو ترک کیے بغیر توبہ کا کوئی فائدہ نہیں۔

(۲)..... اور انسان یہ پختہ عزم کر لے کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ اگر بالفرض زندگی میں پھر بھی شیطان کے بہکانے سے وہ گناہ سرزد ہو جائے تو دوبارہ انسان سچی توبہ کرے اور شیطان کے خلاف اللہ کی مدد حاصل کرنے کی دعا مانگے۔

(۳)..... اسی طرح جس گناہ پر انسان توبہ کر رہا ہے اس پر اللہ کے حضور عداوت و شرمندگی کا اظہار کرے، کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الندم توبة)) [مسند احمد] ”اصل توبہ توبہ ہے کہ انسان اپنے گناہ پر نادم ہو۔“
قرآن مجید میں اہل ایمان کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد ازراہ عداوت وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اللہ سے معافی مانگتے ہیں اور پھر اس گناہ پر بدستور قائم نہیں رہتے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا الذُّنُوبَ بِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ جِزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ﴾ [آل عمران- ١٣٥]

”ایسے لوگوں سے جب کوئی براکام ہو جاتا ہے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو

فوراً انہیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے لگتے ہیں، اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے اپنے کئے (برے عملوں) پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا صلہ اپنے پروردگار کے ہاں یہ ہے کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

(۴)..... سچی توبہ و استغفار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر انسان کے گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو جس شخص کے ساتھ اس نے ظلم و زیادتی اور برائی کی یا جس کا حق مارا ہے اس کا ازالہ کرے۔ اس کی شکل یہ بھی ہو سکتی ہے وہ مظلوم شخص سے معافی مانگے، اس کا حق واپس کرے، اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرے۔

عیسائیوں کا تصور توبہ و استغفار

عیسائیوں کے ہاں توبہ و استغفار اور بخشش گناہ کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ گنہگار شخص چرچ کے پادری کے پاس جائے اور گناہ کی نوعیت کے مطابق پادری کو بیس ادا کرے اور پھر وہ پادری اسے اپنی طرف سے گناہ کی معافی کا سرٹیفکیٹ دے دے گا۔ دین عیسوی میں یہ تصور اس لیے پیدا ہوا کہ عیسائی علما نے خود کو اس حیثیت سے پیش کیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے تشریحی اختیارات دے رکھے ہیں اور ان کے وسیلے کے بغیر کسی شخص کو نہ گناہ کی معافی مل سکتی ہے اور نہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ یہ تصور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی کتاب میں تھا اور نہ کسی اور نبی کی تعلیمات میں۔ افسوس کہ آج قریب قریب یہی صورتحال مسلمانوں میں بھی پیدا ہو چکی ہے۔ بعض نام نہاد علماء اپنے سالانہ چندوں اور نذرانوں کے پیش نظر اپنے متبعین کو یہ سرٹیفکیٹ دیتے پھرتے ہیں کہ وہ ان کے گناہوں کو اللہ کی بارگاہ میں معاف کروالیں گے!

(۲)..... اللہ کے حضور دعائیں اور التجائیں

پچھلے صفحات میں ہم یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ مصائب و مشکلات اللہ کے اذن و حکم سے انسانوں پر نازل ہوتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو کسی مصیبت میں مبتلا نہیں

کرنا چاہتے تو ساری مخلوق مل کر بھی اس انسان پر وہ مصیبت نہیں اتار سکتی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو مصیبت و مشقت میں مبتلا کرنا چاہیں تو پوری کائنات میں کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ گویا نعمت ہو یا مصیبت اسے نازل کرنے یا اٹھالینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، لہذا انسان کے برے اعمال کی وجہ سے اس پر کوئی مصیبت آئے یا اس کی عزید آزمائش اور بلندی درجات کے لیے اس پر مشکل آن پڑے، ہر حال میں انسان کو اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اسی کے آگے اپنی مشکل پیش کرنا ہوگی۔ اسی سے دعا، فریاد، عرض، التجا اور درخواست کرنا ہوگی۔ وہ رحمدل ہے، دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آہ بغیر کسی کے واسطے ویسے کے سیدھی اس کے عرش تک پہنچتی ہے بشرطیکہ اسی کو پکارا جائے صرف اسی کو۔ اس کے ساتھ کسی اور کو حصہ دار (شریک) نہ بنایا جائے، کیونکہ اس سے اس کا وقار مجروح ہوتا اور اس کی عظمت، عزت اور قدر و منزلت پر حرف آتا ہے اور اس سے اس کی شان میں گستاخی ہوتی ہے کیونکہ وہ قادر مطلق ہے، وہی عطا رکھتا ہے اور وہی صاحب امر ہے۔ اس نے اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو بھی یہی تعلیم دی کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اسی کو پکاریں۔

حضرت آدم علیہ السلام لغرض کے مرتکب ہوئے اور جنت سے نکالے گئے تو انہوں نے سیدھا اسی رب کو پکارا جس نے انہیں جنت سے نکالا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں جا پھنچے تو وہاں اپنی مدد کے لیے انہوں نے سیدھا اللہ کو پکارا۔ اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ کے آلاؤں میں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی پریشانی میں، اگر کسی کو پکارا تو ایک اللہ وحدہ لا شریک ہی کو پکارا، اور اسی سے دعا اور فریاد کی۔ خود قرآن مجید میں بھی اس نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ ہم اپنی مصیبتوں اور مشکلات میں صرف اور صرف اسی کو پکاریں:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر۔ ۶۰]

”تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری مراد پوری کروں گا۔ یقین مانو جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔“

واسطے وسیلے کی حقیقت

کسی نعمت کے مطالبے یا کسی مصیبت کے ٹالنے کے لیے براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے پر تو کسی کو کوئی اختلاف نہیں لیکن اس بات پر اختلاف موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور دعا کو مقبول بنانے کے لیے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی وسیلے کو تلاش کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟ یہ اختلاف قرآن مجید کی درج ذیل آیت کا مفہوم متعین کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰتُوا اللّٰهَ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِلُوْا هٰى مَسِيْلَةَ لَعٰلِكُمْ تَفْلِحُوْنَ﴾ [المائدہ - ۳۵]

”مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب (وسیلۃ) تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔“

عربی زبان میں **وَسِيْلَةَ** یا **تَسْوِيْل** کا لفظ تقرب اور رغبت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے مذکورہ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ ہم نیک عمل کریں۔ اور اس بات پر کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا شرط اولین ہے اور وہی لوگ جنت کے مستحق قرار پائیں گے جو اعمال صالحہ انجام دیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّمْعَمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُوْلٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَنْظَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ [النساء - ۱۲۴]

”جو ایمان والا ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف کے برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا۔“

اردو زبان میں لفظ **وسیلہ** چونکہ دو چیزوں کے درمیان واسطے کو کہا جاتا ہے اس لیے اردو دان طبقہ میں اس آیت **وَاٰتُوا اللّٰهَ الْوَسِيْلَةَ** کا مفہوم کو متعین کرنے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کسی درمیانی واسطے کو تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر خود ہی یہ فرض کر لیا گیا کہ اس درمیانی واسطے

سے مراد انبیاء، اولیاء اور بزرگان دین ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اپنی دعاؤں میں لوگوں نے یہ جملہ شامل کر لیا کہ ”یا اللہ! تمام انبیاء و اولیاء کے صدقے (وہیلے) ہماری دعا قبول فرما“..... حالانکہ آیت مذکورہ میں لفظ وسیلہ سے یہ مراد نہیں ہے۔ اگر اس سے مراد یہی ہوتا تو قرآن مجید میں مذکور بے شمار انبیاء کی دعاؤں میں سے کم از کم کسی ایک نبی کی دعا تو ایسی ہونی چاہیے تھی جس میں انہوں نے اپنے سے پہلے نبیوں کا واسطہ دے کر دعا مانگی ہو مگر ایسا نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک کسی بھی نبی و رسول نے اپنے سے پہلے نبیوں اور رسولوں میں سے کسی کا ایسا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام نے بھی کسی نبی، ولی، پیر، شہید، زندہ یا فوت شدہ کا واسطہ دے کر دعا نہیں مانگی۔ اس سلسلہ میں اگرچہ بعض روایات پیش کی جاتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی محدثین کے اصولوں کے مطابق صحیح نہیں ہے۔

وسیلے کی جائز شکلیں

ہمارے ہاں دیلے کا جو مفہوم رائج ہے اسے مد نظر رکھتے ہوئے اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو درج ذیل صورتوں میں ویلے کا جواز ملتا ہے:

(۱)..... اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کا وسیلہ:

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِنُونَ فِي الْأَسْمَاءِ ۚ
سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ [الاعراف- ۱۸۰]

”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں پس ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کا وسیلہ دیتے ہوئے اسے پکارنے اور اس سے دعا مانگنے کے بعض نمونے اور مثالیں بھی قرآن مجید میں موجود ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ﴾ [المؤمنون- ۱۱۸]

”اور آپ کہتے ہیں کہ میرے رب تو معاف کر دے اور اللہ اسے سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اچھا نام عیبر الراحمین ہے اس لیے اس صفت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کی جاسکتی ہے کہ..... یا اللہ! تو عیبر الراحمین ہے اس لیے اپنی اس صفت کے وسیلے مجھ پر رحمت فرما.....، دیگر اسما و صفات کا بھی اسی طرح وسیلہ دیا جاسکتا ہے مثلاً ہار اذق ائجھے رزق حطا کر۔ یا ہافار ا میری مشقرت فرما۔ یا ہافالی ائجھے شفا حطا فرما۔

(۲)..... اعمال صالحہ کا وسیلہ

قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے ایمان اور نیک اعمال کا وسیلہ پیش کر کے اپنی نجات کا سوال کر سکتا ہے، ایمان کا وسیلہ پیش کرنے کی دلیل وہ آیت ہے جس میں ہے کہ چند نیک لوگوں کی اپنے ایمان کا وسیلہ دے کر یہ دعا مانگی:

﴿رَبَّنَا إِنَّا أَمَسْنَا مَعًا مَنَادِيًا مُنَادِيًا يَنَادِي لِيَلِيْمَانٍ أَنِ امْنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَمْنًا رَبَّنَا فَأَخْفِرْنَا وَكُفِّرْنَا عَنَّْا مَنَاتِنَا وَتَوَقَّفْنَا مَعَ الْأَنْبِيَاءِ﴾ [آل عمران- ۱۹۳]

”اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا، ہاواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے۔ یا اللہ! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما، اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے، اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔“

اسی طرح اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی دلیل صحیح بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہو گئی، انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پناہ لی۔ اتفاق سے پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے لڑھکی (اور اس نے اس غار کے منہ کو بند کر دیا جس میں یہ تینوں پناہ لیے ہوئے تھے) اب انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے سب سے اچھے عمل کا جو تم نے کبھی کیا ہو، نام لے کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اس پر ان میں سے ایک نے یہ دعا کی: ”اے

اللہ! میرے ماں باپ نہایت یوڑھے تھے، میں باہر لے جا کر اپنے مویشی چرایا کرتا تھا۔ پھر جب شام کو واپس آتا تو ان کا دودھ نکالتا اور برتن میں ڈال کر پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا، جب میرے والدین پی چکے تو پھر اپنی بیوی، اور بچوں کو پلایا کرتا تھا۔ اتفاق سے ایک رات واپسی میں دیر ہو گئی اور جب میں گھر لوٹا تو والدین سو چکے تھے۔ پھر میں نے پسند نہ کیا کہ انہیں جگاؤں، جبکہ بچے میرے قدموں میں بھوکے پڑے رو رہے تھے مگر میں برابر دودھ کا پیالہ لئے والدین کے سامنے اسی طرح کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ کام صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، تو تو ہمارے لئے اس چٹان کو ہٹا کر اتارا تو بتا دے کہ ہم آسان کو دیکھ سکیں“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر کچھ ہٹ گیا۔ پھر دوسرے شخص نے یہ دعا کی: ”اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ مجھے اپنے بچا کی ایک لڑکی سے اتنی زیادہ محبت تھی جتنی ایک مرد کو کسی عورت سے ہو سکتی ہے۔ اس لڑکی نے کہا تم مجھ سے اپنی خواہش اس وقت تک پوری نہیں کر سکتے جب تک مجھے سوا شرفی نہ دے دو۔ میں نے ان کے حاصل کرنے کی کوشش کی اور آخر اتنی اشرفی جمع کر لی۔ پھر جب میں اس کی دونوں راتوں کے درمیان بیٹھا تو وہ بولی: اللہ سے ڈر اور مہر کو ناجائز طریقے پر نہ توڑ۔ اس پر میں کھڑا ہو گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اب اگر تیرے نزدیک بھی میں نے یہ عمل تیری ہی رضا کے لیے کیا تھا تو تو ہمارے لئے (نکلنے کا) راستہ بتا دے“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: چنانچہ وہ پتھر دو تہائی حصہ ہٹ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے دعا کی: ”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک مزدور سے ایک فرق جو ہار (یعنی تھوڑے سے جو ہار) پر کام کرایا تھا۔ جب میں نے اس کی مزدوری اسے دی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس جو ہار کو لے کر بودیا (کھیتی جب کئی تو اس میں اتنی جو ہار پیدا ہوئی کہ) اس سے میں نے ایک تیل اور ایک چرواہا خرید لیا، کچھ عرصہ بعد پھر اس نے آ کر مزدوری مانگی کہ خدا کے بندے مجھے میرا حق دے دے۔ میں نے کہا کہ اس تیل اور اس کے چرواہے کے پاس جاؤ کیونکہ یہ تمہارے ہی ملکیت

ہیں۔ اس نے کہا مجھ سے مذاق کرتے ہو! میں نے کہا، میں مذاق نہیں کرتا، واقعی یہ تمہارے ہی ہیں۔ (تو وہ انہیں لے کر چلتا ہوا) تو اے اللہ! اگر تیرے نزدیک یہ کام میں نے صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو تو یہاں ہمارے لیے (اس چٹان کو ہٹا کر) راستہ بنا دے۔“ چنانچہ وہ غار پورا کھل گیا اور وہ تینوں شخص

باہر آ گئے۔“ [بخاری: کتاب البیوع: باب اذا اشتری شیئاً غیرہ بغیر اذنیہ (ح ۲۲۱۵)]

اسی طرح ایک صحابی عبد اللہ بن علی بن رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ ان کی طرف حجاج بن یوسف جیسے ظالم حکمران نے پیغام بھیجا کہ میرے دربار میں پہنچو (اس صحابی کو اپنی موت کا خطرہ لاحق ہوا چنانچہ) انہوں نے با وضو ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور یہ دعا مانگی:

”یا اللہ! بے شک تو جانتا ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا، کبھی چوری نہیں کی، کبھی جیم کا مال نہیں کھایا، کبھی پاکدامن پر تہمت نہیں لگائی۔ یا اللہ! اگر میں اپنے دعوے میں سچا ہوں تو مجھے حجاج کے شر سے بچالے۔“ [تاریخ بغداد (۴۱۰) تاریخ فسوی

(۲۳۱/۱) بحوالہ کتاب المعانی ترجمہ از، راقم الحروف (ص ۳۴۷) نعمانی کتب خانہ]

معلوم ہوا کہ اپنے نیک اعمال کا اس طرح وسیلہ پیش کر کے دعا کرنا جائز ہے۔

(۳)..... نیک زندہ شخص سے دعا کر دانا

کسی نیک صالح شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا بھی وسیلے کی ایک جائز شکل ہے اس لیے کہ بخاری و مسلم جیسی مستند کتب احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے دعا کروالیا کرتے تھے مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ جب بھی قط سالی ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے اور فرماتے:

((اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِنَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا

فَأَسْقِنَا..... قَالَ فَيُسْقَوْنَ)) [بخاری: کتاب الاستسقاء: باب سوال الناس الامام

الاستسقاء اذا قحطوا (ح ۱۰۱۰)]

”یا اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کا (جب وہ زندہ ہم میں موجود تھے بارش کی دعا کے لیے) وسیلہ اختیار کرتے تھے اور تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا تھا اب (جبکہ نبی ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو) ہم تیرے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ

بناتے ہیں (یعنی ان سے دعا کرواتے ہیں) پس تو (ان کی دعا قبول فرما کر) ہم پر بارش نازل فرما۔ (راوی کا بیان ہے کہ) اس کے بعد بارش ہو جایا کرتی تھی۔“

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فوت شدگان کا واسطہ وسیلہ پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرام نبی کی وفات کے بعد بھی حضور ﷺ ہی کا وسیلہ پیش کرتے مگر انہوں نے ایسا کبھی نہیں کیا بلکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اپنے میں سے ایک زعمہ بزرگ صحابی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی، لہذا کسی زعمہ نیک شخص سے اپنے حق میں دعا کروانا جائز ہے، مگر کسی فوت شدہ کا واسطہ دے کر دعا کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔

(۳)..... اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ مصائب و مشکلات کی ایک بڑی وجہ انسان کے برے اعمال ہیں۔ یہ برے اعمال انسان کو گنہگار بناتے ہیں اور گنہگار انسان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اپنے غضب کے اظہار کے طور پر دنیا میں بھی ایسے انسان کو آزمائشوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے ہیں۔ اگر برے اعمال سے توبہ اور اللہ کے حضور دعا و مناجات کے علاوہ اس کی رضامندی کے حصول اور اپنے گناہوں کی معافی کی نیت سے صدقہ و خیرات دی جائے تو انسان سے بلائیں ظلمات اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ صدقہ و خیرات انسان کے گناہوں کو دھونے کا باعث ہیں جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْغَضَبَ كَمَا تُطْفِئُ الْمَاءَ النَّارَ)) [ترمذی: کتاب

الایمان: باب ماجاء فی حرمة الصلاة (۲۶۱۶) ابن ماجہ: کتاب الفتن (۳۹۷۳)]

”صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔“

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِئْتَةَ السُّوءِ)) [ترمذی: کتاب

الزکاة: باب ماجاء فی فضل الصدقة (ح ۶۶۴)]

”بلاشبہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا اور بری موت سے انسان کو بچاتا ہے۔“
صدقہ و خیرات سے جس طرح گناہ اور دنیوی مصائب دور ہوتے ہیں اسی طرح
صدقہ آخرت میں جہنم کے عذاب سے بھی نجات دلاتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے
ایک موقع پر عورتوں سے فرمایا:

((صَلُّوْنَ فَلَايْنُ اَوْ تَعْنَنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ)) [بخاری: کتاب الحمض: باب ترك

الحمض الصوم (ح ۳۰۴) مسلم: کتاب الایمان (ح ۸۰)]

”صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنم کی اکثریت عورتوں پر مشتمل ہے۔“
صدقہ و خیرات کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل حاصل ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو
ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک بادل سے یہ آواز سنی کہ (کسی
نے بادل سے کہا ہے کہ) ”غلاں آدی کے باغ کو پانی پلاؤ“ چنانچہ وہ بادل ایک طرف
چلتا شروع ہو گیا پھر اس نے ایک سنگلاخ زمین پر اپنا پانی برسایا، اور تالیوں میں سے
ایک تالی میں اس بارش کا پانی جمع ہو گیا وہ آدی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلے لگا اس نے
(ایک جگہ) دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور اپنے نیچے سے اس پانی کو
(اپنے باغ میں) ادھر ادھر تقسیم کر رہا ہے۔ اس نے اس آدی سے پوچھا: اللہ کے
بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا نام بتایا اور یہ وہی نام تھا جو اس نے بادلوں سے
سنا تھا۔ پھر اس دوسرے نے پوچھا: اے اللہ کے بندے تجھے میرا نام پوچھنے کی
ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس نے کہا کہ جس بادل سے یہ پانی برسا ہے اس سے میں
نے ایک آواز سنی تھی کہ غلاں آدی کے باغ کو پلاؤ تو وہ تمہارا ہی نام لیا گیا تھا لہذا تم
مجھے بتاؤ کہ تم اپنے باغ کے حوالے سے کیا رویہ اپناتے ہو؟ (کہ تمہارے لیے اللہ کا
خصوصی فضل نازل ہوتا ہے) اس نے کہا اگر تم پوچھنا ہی چاہتے ہو تو سنو، میرے اس
باغ کی جو پیداوار ہوتی ہے، اسے میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں: ایک حصہ میں
صدقہ کرویتا ہوں، ایک حصہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے استعمال میں لاتا ہوں اور
ایک حصہ اسی باغ پر لگاؤں کرتا ہوں۔“ [مسلم: کتاب الزہد: باب الصلقة (ح ۲۹۸۴)]

(۴).....مظلوم اور پریشان حال سے تعاون

اگر کسی مظلوم، بھگدست اور پریشان حال شخص سے بھلا راستہ استقامت تعاون کیا جائے تو اس سے خود تعاون کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی خصوصی تعاون فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ نَسَرَ عَلَى كُفْرٍ نَسَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْمُتَّيِّمِ كَانِ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَعْيُنِهِ)) [مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر (ح ۲۶۹۹)]

”جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیوی مشکلات میں سے ایک مشکل آسان کی اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے ایک مشکل دور فرمادیں گے۔ اور جس شخص نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائیں گے اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک کوئی آدمی اپنے بھائی کی مدد کر رہا ہوتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کر رہے ہوتے ہیں۔“

(۵).....صبر و استقامت اور نماز

اگر توبہ و استغفار، دعا و مناجات اور صدقہ و خیرات وغیرہ کے باوجود کسی انسان کی پریشانیوں، دکھوں اور تکلیفوں میں کمی واقع نہ ہو تو پھر بھی انسان کو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صبر و استقامت سے کام لینا چاہیے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے جن کی مصیبتیں اور پریشانیاں اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ اس سے انسان میں یہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے کہ چلو میری پریشانیاں فلاں فلاں لوگوں سے تو کم ہیں۔ لیکن اگر وہ اپنے سے کمتر اور بد حال لوگوں کی بجائے بہتر اور خوشحال لوگوں کی مثال سامنے رکھے گا تو اس سے اس کی زبان سے حرف شکایت نکلنے کا اندیشہ ہے۔

صبر و استقامت کے سلسلہ میں انسان کو انبیاء کی مثالوں کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ کس طرح مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی انبیاء و رسل اللہ کے دین پر کار بند رہے اور اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور لوگوں کی طرف سے پیدا کی جانے والی رکاوٹوں اور تنگیوں پر صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ انہی انبیاء کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا لَوْ أَنَّ الْعَرْزَ مِنَ الرَّسُولِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ﴾

”پس (اے پیغمبر!) تم ایسا صبر کرو جیسا صبر عالی ہمت رسولوں نے کیا اور ان کے لیے (عذابِ ظہری میں) جلدی نہ کرو“ [الاحقاف۔ ۳۵]

اس طرح ایمان والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے صبر اور نماز کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ [البقرة۔ ۱۵۳]

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔“

نیز صبر کرنے والوں کو اجرِ عظیم اور جنت کی خوشخبری سنائی، جیسا کہ درج ذیل آیات سے معلوم ہوتا ہے:

﴿أُولَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ [القصص۔ ۵۴]

”یہ اپنے کیے ہوئے صبر کے بدلے دو ہر ادھر اجر دیئے جائیں گے۔“

﴿أُولَئِكَ يُعْزَوْنَ الْغُرَّةَ بِمَا صَبَرُوا﴾ [الفرقان۔ ۷۵]

”یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلے جنت کے بلند بالا خانے دیئے جائیں گے“

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ

وَالضَّرَّاتِ وَنَبْشِ الصَّبْرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ

رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْتَخِرُونَ﴾

”اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک

پیماس سے مال و جان اور بچوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیتے

جنہیں جب کسی بھی چیز سے آزمائش ہوگی تو وہ کہیں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی

ملکیت ہیں اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ انہی کو رحمتیں

اور نوازشیں ہیں اور ان پر صلوات اور رحمتیں بھی ہوں گی۔“ [البقرہ۔ ۱۵۷]

۹۹۔۔ بے ماڈل ناؤن۔ لاہور

14231

اللہ اور انسان

اللہ

حافظ مبشر حسین ایک نوجوان عالم اور ہونہار قلم کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت تھوڑی عمر میں علم کا ایسا ذوق عطا فرمایا ہے کہ ان پر رشک آتا ہے۔ وہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالا ہو کر قرآن و سنت کے چشمہ صافی سے خود کو سیراب کرتے اور پھر اس فیضانِ علم کو عام کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ موصوف پنجاب

یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مراحل کی تکمیل کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف دینی موضوعات پر ان کی کئی تحقیقی کتابیں اب تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کی زیر نظر کتاب ”اللہ اور انسان“ توحید باری تعالیٰ کے حوالے سے بہت مفید کاوش ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ایسا جامع تعارف پیش کیا ہے جو اس کی تمام صفات عالیہ اور آسمائے حسیٰ کا نہ صرف مکمل احاطہ کرتا ہے بلکہ بندہ مومن کے دل و دماغ کو بھی ایک عشق صادق سے سرشار کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک عام انسان کا اپنے خالق و مالک کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہیے کہ جس سے اسے اپنے رب کی رضا اور آخری کامیابی حاصل ہو جائے، لائق مصنف نے اسے بھی قرآن و سنت کی روشنی میں بڑی خوش اسلوبی سے پیش کر دیا ہے۔ مختلف نظریاتِ باطلہ کا مناسب محاکمہ بھی اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

دور جدید میں انسان بہت مصروف ہو گیا ہے۔ اس کے پاس فرصت ہی نہیں کہ اپنی ذات اور ذاتی دلچسپیوں سے ہٹ کر کسی سنجیدہ موضوع پر سوچ و بچار کر سکے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مادی تعیشات اور وسائلِ مہلکوں و جس قدر بھی اچھے آتے چلے جائیں، انسان خود کو سکون سے محروم پاتا ہے جب تک کہ اسے روحانی تسکین کا کوئی ذریعہ نہ مل جائے۔ اگرچہ روحانی تسکین کے لیے لوگوں نے بہت سے خود ساختہ طریقے جاری کر رکھے ہیں، مگر روحانیت کا صحیح اسلامی تصور کیا ہے؟ اس کتاب کے مطالعہ سے وہ بخوبی عیاں ہو جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت وسیع و عمیق افق کی حامل ہے مگر اپنے حجم کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ اندازِ تحریر سلیس و آسان ہے اور عنوانات سلیقے سے منتخب کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے کتاب کی دل چسپی اور اثر انگیزی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مولف کی یہ کتاب بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح قبول عام حاصل کرے۔ آمین!

[حافظ محمد ادریس علی ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور]

قرآنِ سریش اور شکر سلت کی ترجمان
مبشر اکیڈمی

